ناول صوفیہ

جسمین
عہد شاہی کا سبق آموز و نصیحت خیز فسانہ
امیر خاندانوں کا پر اسرار راز۔ ایثار نفس
و اخلاق حمیدہ کا نادر مرقع دکھلایا گیا ہے

مصنفہ
عالیجناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

حسب فرمائش
ڈاکٹر شیخ عظمت الٰہی صاحب سلونوی (یم۔ بی۔ یچ)
اڈیٹر رسالہ دنیا لکھنؤ
و مالک عظمت بکڈپو لکھنؤ

صرف ٹائیٹل اصح المطابع وکٹوریہ اسٹریٹ
لکھنؤ میں باہتمام محمد قادر بخش مالک مطبع چھپا

بار اول ایک ہزار
قیمت فی جلد ایک روپیہ

نسخے بھی منگا سکتے   مفت مفت

حق و باطل میں امتیاز

یہ تو آئے دن ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے وہ وہ جادو بھرے الفاظ کے اشتہارات نکلتے ہیں کہ اچھے اچھے ہوشیار پڑھکر چکر کھا جاتے ہیں۔ مگر ان سب میں سچ کا وجود برائے نام بھی نہیں ہوتا۔ پھر بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بنائیں۔ اس بنا پر ہم زور کے ساتھ مشتہر کرتے ہیں کہ طلاء فقیری اور سفوف فقیری جنمیں یہ خاصیت ہے کہ بجلی سے زیادہ جسم کے اندر ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔ جنکو ملک کے ہزارہا مریضوں پر آزمایا ہے۔ آج بفضلہ کسی کو ضعف باہ۔ جریان۔ سرعت۔ رقت۔ کثرت احتلام نامردی۔ جلق کے سخت اثرات کی شکایت باقی نہیں ہے۔ عضو مخصوص کی جملہ خرابیاں یعنی کجی۔ سستی اور لاغری وغیرہ تو چند ہی روز میں دور ہو کر بس خدا کی قدرت کا نظارہ آتا ہے۔ اس سچائی کے ساتھ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا ادویات کی سردست آپ سے کوئی قیمت نہ لی جاویگی بلکہ خرچ دفتر ۲؍ پیکنگ ۱؍ محصول ۱؍ صرفہ اشتہار ۱؍ جملہ ۵؍ بذریعہ وی۔ پی وصول کیا جاویگا۔ مگر ساتھ ہی فرمائش کے مندرجہ ذیل حلف نامہ بھی آنا چاہیے کہ بعد شفا ہو جانے کے قیمت ادویہ مبلغ پانچ روپیہ (عہ) یکمشت یا بذریعہ نہایت مجبوری ایک ایک روپیہ کر کے پانچ مہینہ میں ادا کر دونگا۔ اسکی قیمت رکھ لینا میرے لئے سور کے برابر ہو گی۔

منگانیکا پتہ

منیجر بیت الشفاء میڈیکل ہال لکھنؤ

ناول



عہد شاہی کا سبق آموز و نصیحت خیز

افسانہ

امیر خاندانوں کا پر اسرار راز۔ ایثار

و نفس و اخلاق حمیدہ کا

نادر مرقع



مصنفہ

مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

حسب فرمایش منیجر صاحب عظمت بکڈپو لکھنؤ

ادبی پریس لکھنؤ میں چھپا

مژدہ دے جہاں کے خریدارون کو
آج ہوئی ہے شفا درد کے بیمارون کو

رسالہ قوت باہ عظمتی

آئین کھڑے ہین آپ قدردان کمال کے
کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

دنیا سرگردان ہے کہ وہ سے دستیاب ہون وہ دوائین ملین جن سے مایوسان قوت باہ کے دبے ہوئے حوصلے نکلین۔ اسکے لیے ہم بہت ناز کے ساتھ یہ کتاب پیش کرتے ہین جس مین مشرق و مغرب کے جدید و قدیم حکیمون۔ ویدون طبیبون وغیرہ کے ان تمام تجربات و معلومات مشاہدات کا نچوڑ کامل و مکمل طور سے جمع کیا گیا ہے۔ جو عورت و مرد کی مواصلت سے تعلق رکھتی ہے۔ ساتھ ہی قواعد جماع ممنوعات جماع۔ ملذذات۔ امساک۔ اولاد نرینہ تندرست اور خوبصورت بچے پیدا کرنے کی تدابیر۔ فلسفہ عشق۔ فلسفہ ازدواج انتخاب بیوی۔ تعلقات زوجین۔ لطف مباشرت۔ اور صحبت کے طریقون وغیرہ وغیرہ کی اعلیٰ ترین عملی تعلیم دی گئی ہے۔ ضعف باہ۔ کمزوری سستی۔ نامردی۔ جریان۔ سرعت انزال وغیرہ کا مفصل بیان۔ مرضون کی شناخت پیدا ہونیکے اسباب و علاج اور عضو خاص۔ جلق و اغلام وغیرہ کی پیدا شدہ تمام خرابیون کے دور کرنے کے صدہا مرتبہ کے آزمائے ہوئے بیخطا اور بہتر بہدف وہ نسخہ جات جو آج کل کے موجودہ اطبا صدہا روپیہ دینے پر بھی اپنے اسرار کی نسخہ نہین بتلاتے بغرض رفاہ عام درج کر دیے گئے ہین۔ اب بھی اگر منگا کر اپنی حسرت نہ پوری کیجئے تو آپ کی قسمت۔ قیمت مجلد صرف آٹھ آنہ علاوہ محصول

منگانیکا پتہ:- **منیجر عظمت بکڈپو۔ لکھنو**

۶۸۷

صوفیہ

پہلا باب

قیدی کا فرار

شاہی قید خانہ نہایت مستحکم طریقے پر تعمیر کیا گیا تھا جس کی کوٹھریاں اور کمرے
چوڑی چوڑی بلند فصیلوں سے گھرے ہوئے تھے اسیروں کی صحت پر نظر رکھتے ہوئے
[illegible] کچھ روشن دان اور جھروکے بھی بنائے گئے تھے جن میں موٹی موٹی آہنی سلاخیں
لگی تھیں قید خانے کی عمارت دو منزلی تھی، اوپر کے کمرے نسبتاً وسیع اور روشن تھے
ان کمروں میں عموماً وہ مجرمین رکھے جاتے تھے جن کے جرائم چوری ڈکیتی کے نہ ہوتے
بلکہ وہ پالٹیکس مجرم ہوتے، بہت کم ایسے دن گذرے ہوں گے جب ان کمروں کو
آفتاب کی سنہری کرنوں نے جھنجھروں اور روشن دانوں سے اندر داخل ہوا کرتی
ہیں، خالی پایا ہو، اور ان کی گرمی سے جبینوں پر قطرات اشک نہ نمودار ہو گئے
ہوں۔

برسات کی رت تھی۔ باغات۔ ہندوستانی خاتونون کی لوچ دار آوازون
اور سریلی تانون سے اندر کا اکھاڑا بنے تھے بارش ابھی موقوف ہوئی تھی، ابر
چھٹنے کے بعد نورانی سپیدہ آسمان پر پھیلا تھا، وسط فلک پر قوس و قزح کی نمود
نہایت نظر کش اور دلچسپ معلوم ہوتی تھی، ہواؤن مین خنکی اور موسم مین بسبب
بارش خفیف سی برودت پیدا ہو چلی تھی۔

ٹھیک اسی وقت ایک قوی ہاتھ نے قید خانے کے عقبی جھروکے سے نکل کر
سلاخ کو مٹھی سے پکڑا، اور اس زور سے اندر کی طرف کھینچا کہ وہ ٹیڑھا ہو گیا
اور سلاخ کا بالائی حصہ سوراخ سے نکل آیا، دو منٹ دم لینے کے بعد پھر اسی
عنوان سے ہاتھ باہر آیا اور دوسری سلاخ بھی سابق کی طرح ٹیڑھی کر کے نکال ڈالی
گئی، رفتہ رفتہ جنگلے کی تمام سلاخین نکال لی گئین، اور ایک موٹی رسی کھڑکی سے
باندھ کر دوسرا سرا نیچے لٹکایا گیا۔

ابر ہٹتا جاتا تھا اور آسمان صاف ہو رہا تھا، کبھی کبھی آفتاب کی دھندلی
صورت نظر آجاتی تھی بھیگی ہوئی دھوپ، دھوپ دھلائی، ہری ہری پتیون اور
کونپلون کو چمکانے مین مصروف تھی پتیون پر جمے ہوئے پانی کے قطرے موتیون
کی طرح چمک رہے تھے، اور ایک قوی الجثہ جیہ اور پر دبدبہ ادھیڑ عمر کا شخص سیاہ
کمبل کے کپڑون مین ملبوس ہاتھ پاؤن مین ہتکڑی بیڑی پہنے کمند کے ذریعہ سے
نیچے اتر رہا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے ہونے والی بارش نے نگہبانون کو غافل کر کے گوشون مین
بٹھا دیا تھا، اگرچہ اب بارش ختم ہو چکی تھی لیکن چھوٹے چھوٹے گڑھون مین
جمع ہو جانے والے برساتی پانی اور کیچڑ نے انھین اب بھی مامنون سے نکل کر فرائض
کی ادائیگی سے غافل کر رکھا تھا۔

قیدی جس کمرے سے نیچے اتر رہا تھا، وہ سطح زمین سے تقریباً بارہ گز بلند
تھا، بارہ گز اترنا چندان اہم نہ تھا مگر ان موقعون پر فراریون کے قلوب مین
دیکھے جانے کا جو خوف فطرتاً پیدا ہو جایا کرتا ہے اس نے اس قیدی کو بھی
مرعوب کر رکھا تھا، ہر قدم پر کان لگا کر سنتا اور ٹھہر ٹھہر کر چارون طرف منظر پر

دقیق نظریں ڈال لیتا تھا! اسی طرح سُن گُن لیتا، دیکھتا بھالتا، زمین پر پہنچ گیا
اس نے نفرت انگیز نظروں سے اس منحوس مکان کی طرف دیکھا، جہاں اُن
پورے دو سال سخت مصیبت و تنہائی میں مر مر کر بسر کیے تھے، پھر چاروں طرف
گھوم پھر کر آنکھوں آنکھوں میں کچھ تلاش کرنا شروع کیا، تھوڑی دیر کی جستجو
میں بیڑی اور ہتھکڑی کاٹنے کا اوزار مل گیا۔

شاید یہ اوزار قبل ہی کسی عنوان سے حاصل کر کے جھروکے سے باہر پھینک دیا
گیا تھا، فراری نے اوزار اٹھا کر آگے کا قصد کیا، تھوڑا سا دور چلنے کے بعد ایک ٹیلہ
جس کے نشیب میں صحرائی درختوں کا جھنڈ تھا، اس کے اندر چھپ جانے کے
بعد باریک سے باریک بین بھی کسی کی موجودگی کا احساس کرنے سے قاصر تھا، فراری
جھنڈ کے اندر جا کر غائب ہو گیا۔

دیر تک نہ تو خود وہی باہر آیا نہ کوئی آواز محسوس ہوا، جس سے اس کی
موجودگی کا یقین کیا جا سکتا، برشگال میں بارش کا کوئی وقت معین نہیں، تھوڑی
دیر میں تڑاقے کی دھوپ نکلی ہے، تو تھوڑے عرصہ میں موسلادھار بارش
ہو رہی ہے، ابھی آسمان صاف تھا، اب پھر کالے کالے بادلوں سے گھر گیا
ہواؤں کی لطیف فرحناک خنکی شدید بارش کا خیال پیدا کرنے لگی۔

تھوڑا عرصہ منٹ بعد وہی شخص جھاڑیوں سے برآمد ہوا، اس کے ہاتھ
پاؤں ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے جکڑے ہوئے نہ تھے، معلوم ہوتا ہے کسی تدبیر
سے اس نے اس زیور کو اتار کر جھنڈ کے اندر چھپا دیا، لیکن ہاتھ، پاؤں میں نشانات
موجود تھے، جسے دیکھتے ہی آسانی سے اصلی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے، جسم میں
پوشاک وہی ہے، لیکن کرتہ پشت پر سے بالکل پھٹ گیا ہے، غالباً ہتھکڑیاں اور
بیڑیاں کاٹنے کی جدوجہد میں کسی درخت کی شاخ سے الجھ کر پھٹ گیا ہے، اس کے
وجیہ چہرے سے جہاں حد کی شکستگی ٹپکتی ہے، وہاں شرافت و عالی ظرفی کے
آثار بھی رونما ہو رہے ہیں۔

کچھ یوں ہی سا ترشح ہو رہا تھا، پاؤں سوجھ گئے تھے جس کی وجہ سے راہ
چلنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی، لیکن، وہ شاہی مجرم تھا اور محافظین کی نظر بچا کر

مجلس سے فرار اختیار کیا تھا، مصلحتاً اس گرد و نواح میں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ تھا
بہر طور گرتا پڑتا اور عام گزرگاہ سے الگ ہوتا ہوا ایک طرف روانہ ہوا، دن ڈھلتے
اور شام ہوتے ہوتے بدقت صرف تین میل زمین طے کی۔ اب ضعف و نقاہت
بھی طاری ہو گئی، اور وہ بارش سے نم ہو جانے والی زمین پر ایک تناور درخت کے
تنے کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔

شہر کے قریب کا قریہ بھی بلحاظ تمدن، معاشرت کسی قدر شہریت لیے تھا
امرا کے باغات کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا، کہیں کہیں پر ہرے بھرے
کھیت بھی باغوں کے درمیان میں لہراتے نظر آجاتے تھے کسانوں نے برساتی پانی
جمع کرنے کے واسطے جابجا گڑھے کھود رکھے تھے۔ اُن میں برساتی پانی جمع تھا
اور بھینسیں آرام سے بیٹھی ہوئی اشنان کا ذائقہ بھوگ رہی تھیں گڈریے گلہ کو
کو ہنکاتے ہوئے گھرلیان کی طرف واپس جا رہے تھے، اور مصیبت نصیب قیدی،
درخت کے تنے سے ٹیک لگائے سکوت کے عالم میں بیٹھا تھا اس کے جسم کو کوئی
حرکت نہ تھی۔ اگر پلکیں جھپکتی نہ ہوتیں تو غشی میں ذرا بھی شبہہ باقی نہ رہتا۔
اس وقت ہر طرف خاموشی تھی، قیدی خاموش تھا اور منظر ساکت، فضائیں سکون
مطلق کی آغوش میں صبح تک کے لیے سو گئیں تھیں، باغوں میں گانے کی آوازیں
سنائی نہ دیتی تھیں، ترنم کا سلسلہ قطع ہو گیا تھا۔

جہاں قیدی بیٹھا تھا، اس سے دو سو قدم کے فاصلے پر ایک امیرزادے کا
باغ تھا جو برسات کا جشن منانے اہل و عیال سمیت باغ میں آ ٹھہرا ہوا تھا، اس کے
باغ سے ایک کہاری ہرا دوپٹہ اوڑھے لہنگا پھڑکاتی ہوئی باہر نکلی جس طرح میدان
پر برق خرام ہرن طرارے بھرتے ہیں کہاری کھلے میدان میں چلیں کرتی اٹھلاتی
ہوئی پھرنے لگی، تعجب نہیں جو کسی کے آنے کی منتظر ہو۔

کوئی ہو، اور کسی کا انتظار ہو، لیکن یہ موقعہ قیدی کو غنیمت معلوم ہوا، وہ
کراہ کے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا کہاری کے قریب پہنچا، پہلے تو کہاری بھوت سمجھ کر
ڈری، مگر شرافت ہر رنگ میں اپنے جوہر نمایاں کرتی ہے، لعل گدڑی میں بھی
وہی کیفیت دکھاتا ہے، جو شاہوں کے تاج میں نصیب ہوتی ہے، صورت

دیکھتے ہی کماری کے دل کو ڈھارس ہوئی اور وہ دریافت طلب نگاہوں سے دیکھنے لگی

قیدی:۔ بوا! کیا تم ایک ستم زدہ کو واجب الرحم جان کر کچھ مدد کر سکتی ہو؟

کماری:۔ سر سے پاؤں تک غائر نظر ڈال کر "تم کیا مدد چاہتے ہو؟"

قیدی:۔ میں نہایت ہی مصیبت زدہ ہوں، پورے تین روز ہوئے کہ ایک کھیں تک اُڑ کر منہ میں نہیں گئی!

نہ معلوم اب تک زندہ کیوں کر رہا؟ میں نے کبھی کسی سے سوال نہیں کیا، تم سے بھی کوڑی پیسہ طلب کرنا نہیں چاہتا، صرف پیٹ بھرنے کو تھوڑی سی غذا چاہتا ہوں، اور بس۔"

کماری (کچھ سوچ کر) "نواب ہمایوں جاہ کا باغ یہاں سے قریب ہے، وہ بہت فیاض آدمی ہیں ننگے بھوکوں کے ساتھ سلوک کرنا اُن کی عادت میں داخل ہے، اگر تم وہاں چلے جاؤ تو لذیذ غذائیں کھانے کو ملیں تمھارے پاس گت کے کپڑے بھی نہیں ہیں، وہ اپنا کوئی جوڑا عنایت کر دیں گے یا نئے کپڑے بنوا دیں گے۔"

قیدی:۔ پہرے کے تلنگے مجھے وہاں تک جانے دیں گے۔

کماری:۔ ہاں، نواب صاحب نے محتاجوں کے واسطے عام حکم دے رکھا ہے، کہ جس وقت کوئی آئے فوراً حضور میں پیش کر دیا جائے۔

قیدی نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ اُسے دست سوال پھیلاتے ہوئے شرم آتی تھی، نہ معلوم پیٹ کیسی ظالم چیز ہے، جس نے غرور خودداری کو نیست و نابود کر دیا، جن کاموں سے ہمیشہ عار رہا، وہی کرا کے چھوڑا۔ نواب ہمایوں جاہ کا باغ اس جگہ سے بہت دور نہ ہونے پر بھی ایک میل تھا۔ جب قیدی وہاں پہونچا ہے تو رات ہو چکی تھی۔ برسات کی رات، ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا، باغ کے دروازے پر لالٹین کی روشنی تھوڑا بہت اندھیرا دفع کر رہی تھی۔ دو تلنگے کاندھوں پر بندوقیں رکھے سنگینیں لگائے پھاٹک پر ٹہل ٹہل کر پہرا دے رہے تھے، قیدی نے عاجزانہ انداز سے اپنی اطلاع کر دینے کی التجا کی۔ ایک تلنگے نے اندر جا کر کچھ کہا اور الٹے پاؤں واپس آیا، اس کے ساتھ ایک چوبدار بھی تھا، جس کے ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا اور گول زری کی پگڑی سر پر تھی، جس میں مقیش کا پھندنا لگا تھا

سفید باریک انگرکھا گھٹنوں سے نیچے تک لٹکتا ہوا، اس کے نیچے تنزیب کا کرتہ
اور پرانی وضع کا ڈھیلا ڈھالا پائچوں والا پاجامہ پہنے تھا چوبدار قیدی کو
ساتھ لیے کمرہ باغ میں داخل ہوا حسن اتفاق سے نواب ہمایوں جاہ باہر ہی تشریف
فرما تھے کمرے کی سجاوٹ وہی تھی جو مشرقی نواب زادوں کے ایوانات میں ہوا کرتی
ہے۔ چاندی کا سامان کثرت سے سجا ہوا تھا۔ نواب زرنگار مسند پر گاؤ تکیوں کا سہارا
لیے بیٹھے تھے داہنے بائیں مصاحبین ادب آموز انداز سے صف بستہ دوزانو بیٹھے تھے
نواب کے سامنے پیچوان لگا تھا۔ ایک طرف عطردان اور چنگیر دان رکھا تھا۔ چاندی کے
ناصدان میں بیگمی پانوں کی گلوریاں نفاست سے چنی تھیں۔

قیدی کو میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑوں اور کیچڑ میں لتھڑے ہوئے پاؤں سے
فرش پر جاتے شرم آتی اور پائیں فرش ٹھہر گیا ادھر نواب ہمایوں جاہ کی نظر اٹھی ادھر
اس نے فرشی سلام کیا۔

نواب "تم کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو"

قیدی۔ فی الحال تو محتاج و نادار ہوں حضور کی سرکار سے پیٹ بھر غذا چاہتا ہوں؟

نواب۔ اور

قیدی "حضور کی نوازش"

نواب ہمایوں جاہ نے دو ہی باتوں میں سمجھ لیا کہ بے شک یہ مصیبت زدہ ہے
نواب اگرچہ ابھی بیس بائیس سال سے زیادہ نہ تھا، لیکن علم و حلم، بردباری، خودداری
ادب و اخلاق، کوئی صفت ایسی نہ تھی جس سے بقدر ضرورت متصف نہ ہو، سخاوت
میں اس نے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ جب لکھنؤ رنگینیوں اور عیش پسندیوں کی
آماج گاہ بنا ہوا تھا جب بادشاہ سے لے کر ادنیٰ رعایا تک عیش پرستی دن کا بہترین
نمونہ پیش کر رہی تھی ایسے وقت و ایسے زمانے میں نواب ہمایوں جاہ نے پارسائی
اختیار کی تھی۔ کبھی کبھی گانے بجانے کی صحبتیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ کیونکہ ایسا
نہ ہونے سے اس زمانے کی سوسائٹی بالکل ہی بے مزہ اور خشک خیال کی جاتی تھی ہمایوں
مرزا ابھی لاکھوں کی جائداد و املاک پر تنہا قابض تھا، نہ تو کوئی بہن تھی نہ بھائی!
والدین کا انتقال ہو چکا تھا، رشتے کے چچا نے پرورش کیا تھا وہ ابتدا ہی سے انتہا کا

ذہین، معاملہ فہم اور سنجیدہ واقع ہوا تھا، جب سے جاگیر و املاک موروثی پر قبضہ ملا تھا
محض اپنی خوش انتظامی کی بدولت بہت کچھ ترقی کر لی تھی، اپنی صحبت میں چن چن کر وہ ایسے
آدمی رکھے تھے جو شریف خاندان تھے نمک حلالی اور وفا کوشی میں مثل و نظیر نہ رکھتے
تھے، مالک کے پسینے پر خون گرا دینا، کوئی بات ہی نہ تھی، علاقہ پر جو کارندے مقرر
تھے۔ ان کی تنخواہیں عموماً زیادہ مقرر ہوئیں تھیں کہ وہ ناجائز عنوان سے روپیہ
حاصل کرنے سے بچیں، نواب کی شادی ان کی ماموں زاد بہن سے ہوئی تھی بیگم صاحبہ
بھی اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں، اس لیے وہ جائداد بھی نواب ہمایوں ماہ کو ملنے
والی تھی۔

نواب نے اپنے ایک مصاحب کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا، مصاحب فوراً
اٹھا اور قیدی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارا کیا۔

دوسرا باب (۲)

نفس کی سرکشی

مصاحب کا نام میر کرم علی تھا۔ شریف ہونے کے علاوہ زیور علم سے بھی
مالامال تھا۔ علی العموم سند باد جانے والے مصاحبوں کی طرح کندۂ ناتراش
نہ تھا، علم مجلس میں خاص مہارت تھی اور مزاج دانی کا تو یہ حال تھا کہ دو روز کی
صحبت میں ایسا پہچان لیتا گویا ساری عمر اسی صحبت میں گذری ہے، انھیں اوصاف
کی بدولت نواب ہمایوں جاہ کے مزاج میں بہت رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ نواب اپنے اکثر
کام میر کرم علی کی ذات سے متعلق کرتے تھے۔

میر کرم علی میں جہاں اور نہ بیان خوبیاں تھیں۔ عبارت ہے حلیم النفس اور شیریں زبانی
کا وصف بھی المضاعف تھا، اپنی میٹھی میٹھی خوش کن باتوں سے خاص و عام کو پرچا لینا
ایسا آسان تھا جیسے افسون کے ذریعے سے قلوب کو تسخیر کر لینا [illegible]

آکر کرم علی نے خدمت گار کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو کہا۔ "سرکار نے حکم دیا ہے، نو وارد کو ابھی حمام میں غسل کرایا جائے اور لباس بدلوا کر حضور میں پیش کیا جائے۔"

خدمتگار نے سر اطاعت خم کیا اور قیدی کو اپنے ساتھ حمام لے گیا، نہلا دھلا اور لباس تبدیل کرا کے پھر کمرے میں لایا۔ قیدی نے اب تک کسی کام میں عذر نہ کیا تھا، اسے اپنے جسم پر قید خانے کے کپڑے دیکھنے سے روحانی تکلیف ہوتی تھی لباس بدلنے کے بعد طبیعت کسی قدر ہلکی ہو گئی حجام نے غسل کرنے کے قبل حجامت بنا دی تھی۔ اب سوا اشتہا کے کوئی شکایت باقی نہ تھی۔ کرم علی کے آنے کے بعد قیدی دوبارہ نواب ہمایوں جاہ کی حضور میں پیش کیا گیا۔ جتنی دیر اسے غسل کرنے اور لباس بدلنے میں ہوئی اس عرصہ میں نواب کا طول و طویل دسترخوان بچھ چکا تھا۔ اس سرے سے اوس سرے تک مصاحبین و متعلقین مؤدب حاضر تھے صدہا قسم کی مرغن۔ لطیف ولذیذ غذائیں چینی چھینی قابوں اور پلیٹوں سے گرم گرم بھاپ اڑ رہی تھی اور خوشبو سے سارا کمرا مہکا ہوا تھا۔

ایک زمانہ تھا، جب قیدی کو بھی یہی اعلیٰ زندگی حاصل تھی، گردش عالم نے اُن ایام کو خواب و خیال کر دیا سامان راحت چھین گیا، جائداد و املاک ضبط ہو کر سرکاری قبضے میں پہونچ گئی مکانات کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور وہ بغاوت کے جرم میں ماخوذ کر کے نامعلوم مدت تک کے لیے جیل میں بند کر دیا گیا۔

شاہی قید ہرچند قید فرنگ کی طرح ایذ دہ اور آزار رسان نہیں، نہ رام بانس کوٹنا پڑتا ہے نہ چکی پیسنے کی مشقت لاحق ہوتی، پھر بھی خالی نظر بندی میں ان روحانی تکالیف کا سامنا ہوتا ہے جس کا تحمل قوی تر ہستیوں میں بھی شاید و باید۔

قیدی کے پیچھے ہی نواب اٹھ کر دسترخوان پر تشریف لائے خدمت گاروں نے طشت و آفتابہ حاضر کیا سب ہاتھ دھو دھو کر قرینے قرینے سے بیٹھ گئے۔ امراء کے دسترخوانوں پر ظریف خوش گپیاں کرنے کو حاضر رہا کرتے ہیں۔ اور اپنی پر تہذیب ظرافت سے دل خوش کرتے ہیں، نواب ہمایوں جاہ کے دسترخوان پر بھی دو ظریف موجود تھے جنھوں نے دستور قدیم کے اصول پر نقلیں کرنا اور لوگوں کو ہنسانا

شروع کیا۔ قیدی کو عرصہ کے بعد یہ غذا نصیب ہوئی تھی اس لیے تکلف کو بالائے
طاق رکھ کے کھانا شروع کیا، نواب ہمایوں جاہ اخلاقاً کبھی قاب۔ اور کبھی پلیٹ بڑھا
بڑھا کے لوگوں کو چکھنے کی توجہ دلاتے تھے جس شخص کو یہ عزت دی جاتی، وہ کھڑے
ہو کر فراشی سلام کرتا۔ قیدی کو بھی کئی بار نواب کے ہاتھ سے قابیں اور پلیٹیں لینے کا
اعزاز حاصل ہوا۔

امرا کے دسترخوان بھی کئی کئی گھنٹوں کے ہوتے ہیں! پورے دو گھنٹے میں
دسترخوان برخواست ہوا، سب نے ہاتھ دھوئے اور پھر کمرے کی طرف آنے لگے۔
نواب کا معمول تھا، شب کو بعد غذا صرف چند منٹ باہر ٹھہر کر محل میں داخل ہو جاتے
تھے آج بھی حسب عادت وہی طریقہ برتا گیا لیکن چلنے سے پہلے قیدی کو مخاطب
کر کے کہتے گئے:

ہمایوں جاہ: مجھے تمہارے حالات دریافت کرنے کا اشتیاق ہے اور [illegible]
چاہیے، چونکہ تمہاری صورت سے شکستگی ظاہر ہے اس لیے تھوڑے سے آرام کی ضرورت
ہے، یقین ہے شب بھر غافل سونے سے تمام کسل رفع ہو جائے گا اور صبح کو
تم حالات بیان کرنے کے لیے تیار ہو گے۔ میر کرم علی صاحب کو حکم دے دیا گیا ہے
تمہاری شب باشی کے لیے کوئی ہوادار کمرہ تجویز کر کے کھلوا دیں گے تمہارے
حالات سن لینے کے بعد مناسب ہمدردی کی جائے گی سر دست طے نہیں کیا جا سکتا
کہ تم کو کس قسم کی ہمدردی کی ضرورت ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بعض لوگ
تنہائی پسند کرتے ہیں، اگر تم بھی انھیں لوگوں میں ہو تو میر کرم علی صاحب
بے تکلف کہہ دینا وہ سب سے الگ ٹھہرائیں گے جس چیز کی ضرورت پڑے اور
سوئے اتفاق سے میر صاحب کی فراہمی میں سہو واقع ہو تو خود بتا دینا۔ یہ خانہ
بے تکلف ہے۔ تکلف کی ضرورت نہیں ہے

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
وہ لوگ ہیں اچھے جو تکلف نہیں کرتے
(ذوق دہلوی)

نواب حرم سرا میں داخل ہو گئے۔ مصاحبین و خدام رخصتی آداب بجا لا کر
اپنے اپنے ٹھکانوں پر گئے میر کرم علی نے باغ کی کوٹھی میں ایک صاف و ستھرا کمرہ

قیدی کے واسطے کھلوا دیا۔ سرخ مردنگ میں شمع روشن کرادی گئی اور مرادآبادی نواڑی پلنگ پر بچھونا بچھوا کر پنکھا قلی، پنکھے کی دوڑی کھینچنے کو مقرر کر دیا گیا۔

جیل کی جان گسل تکالیف و شدائد کے بعد نرم نرم بچھونے پر قیدی کو جسقدر آرام ملا، آج سے پہلے کبھی تونگری کے زمانے میں یہ راحت نصیب ہوئی تھی! کمرہ عود سوز کی خوشبو اور پھولوں کی لپٹوں سے مہک رہا تھا کھڑکیوں سے برسات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں قلب و دماغ میں بالیدگی پیدا کر رہی تھیں، کالے کالے بادل کے ٹکڑے باد رفتار گھوڑوں کی طرح آسمان پر دوڑتے پھرتے تھے کبھی کبھی کوندا ایسی مصیبت رسیدہ کے درد دل کی طرح چمک چمک کر ابر میں روپوش ہو جاتا تھا ٹھیک اس منظر میں قیدی بستر استراحت پر دراز ہوا، لیٹتے ہی بے خبر ہو گیا

اکثر لوگوں کو خراٹوں کی عادت ہوتی ہے جہاں غفلت کی نیند آئی خراٹوں کی آواز اڑوس پڑوس کے رہنے والوں کی نیندیں اچاٹ کرنے لگی۔ قیدی اس مرض سے کلیتہً محفوظ تھا، لیکن آج اس نے بھی نفیر خواب بلند کر دی!

سویا اور خوب غافل سویا۔ پچھلے پہر مچھر کے کاٹنے سے آنکھ کھل گئی۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا تھا۔ بجز جھینگر دادا کی جھنکار کے کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی کبھی کبھی دور سے سیاروں کے چلانے کی آواز بھی سکون مطلق کو پریشان کن ہنگامہ سے چونکا دیتی تھی، لیکن یہ خدا کی ایسی مخلوق تھی جو بدکار انسانوں کی بدکاریوں کا راز ان کی ہم جنس پر ظاہر کرنے کی قدرت نہ رکھتی تھی، بد مزہ افعال کر کے خدا کی زمین کو ناپاک کرنے والے سیہ کاروں کو بے زبان خلقت سے کسی قسم کا حجاب نہ تھا،

ابر اب بھی بدستور آسمان کو سیاہ چادر میں چھپائے تھے، کوندے کی لپک برق کی چشمک سے بدل گئی تھی اور ہواؤں کی خنکی ترشح کا پتا دے رہی تھی۔ قیدی دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مردنگ کے اندر شمع کی روشنی تو خفیف ہوا لگنے سے جھلملا رہی تھی، اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی روشنی کمرے کی چیزوں کو دھندلا بنا کر دکھا رہی تھی، پنکھا ساکن تھا، اگر پچھلی رات کی ہوا اس کی جھالر کو جنبش نہ دیتی تو شاید اس کا سکون پنکھا قلی کے گہرے خواب کا شاید ہو جاتا!

قیدی آہستہ آہستہ پلنگ سے اتر کر کمرے کے بھرے ہوئے پٹوں کے دوسری

طرف ٹکٹکی لگائے، پاؤں کے انگوٹھے میں ڈوری اٹکائے دروازے کی دہلیز پر سر رکھے غافل سو رہا تھا، باغ میں ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ لالٹینوں کی بتیوں پر گل آجانے سے روشنی بالکل مدھم پڑ گئی تھی، جو پوری طور پر قریب کی تاریکی بھی دور کرنے سے مجبور تھیں۔

قیدی نے خاموش فضاؤں کو دیکھا، تھوڑی دیر برآمدے میں ٹہل کر ہوا کھائی شاید اس کے دل میں کچھ خیالات برساتی بادلوں کی طرح دوڑتے تھے جن پر قابو حاصل کرنے کی جدوجہد میں، وہ اپنی تمام قوت امکانی صرف کر رہا تھا! نہیں معلوم وہ خیالات نیک ہیں یا بد؟ بہر نوع خیالات کا ہونا مسلم ہے، اس کے چہرے کا آثار چڑھاؤ جو اندھیرے میں کافی طور پر نظر نہیں آتا، دلی اضطراب و التہاب کے ساتھ اس متضاد کیفیت کی آئینہ داری کر رہا تھا جس کی کشاکش میں قیدی پھنسا تھا۔

دس پانچ منٹ چہل قدمی کر کے قیدی پھر اپنی مجوزہ خواب گاہ میں واپس آیا قلی کی نیند ایسی سخت تھی جو مچھر دل کی سنگین ریشہ دوانیوں سے بھی نہ ٹوٹی! جب باغ کے ڈانس چادریں بن بن کر حملہ آور ہوتے تو صرف ہاتھ یا پاؤں اچھال کر رہ جاتا اس سے زیادہ شدید حملوں کا اثر اس کی سخت کھال پر نہ ہو سکا!

قیدی آنکھیں بند کر کے پلنگ پر لیٹ گیا، آدھ گھنٹے میں کم سے کم چھ سات مرتبہ پہلو بدلا لیکن آنکھوں سے نیند یوں غائب ہوئی تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ! اس نے آنکھیں کھول کر چھت کی دھنیاں گننا شروع کیں! راتوں کو نیند اچٹ جانے کے بعد اگر کوئی کتاب موجود نہ ہو تو اس مشغلے سے خوب تر کوئی شغل نہیں تھوڑا وقت اس طرح بھی بسر ہو گیا۔ اس کی نگاہیں چھت سے ہٹتی ہوئی کانس اور کانس سے دیوار تک پہونچیں، دیوار میں نواب ہمایوں جاہ کی روغنی تصویر چاندی کے چوکھٹے میں آویزاں تھی۔ قیدی چند لمحہ تک تصویر پر آنکھیں جمائے دیکھتا رہا، جس طرح مجذوب بے سروپا بڑبڑاتا ہے، بالکل اسی صورت سے لیٹے لیٹے قیدی نے بڑبڑانا شروع کیا۔

"بے شک تم سخی ہو، اور کریم النفس! تم نے میرے ساتھ جو نیک سلوک اور رحیمانہ برتاؤ کیا ہے وہ اس قابل ہے، کہ زندگی بھر تمہارے تلوے

دہود ہوکر رہون۔ کوئی ایسی بات نہ کرون جس سے احسان
فراموشی کا الزام عاید ہوسکے (دل کو دونون باتون سے یکلخت
مگر یہ ظالم اصول شرافت سے بہت دور لیے جانا چاہتا ہے مجھے
نہین معلوم صبح ہونے بعد جب میرا کچا چٹھا سنو گے تو کیا رائے
قایم کروگے مجھپر حکومت نے بغاوت کا الزام لگایا ہے، باغی ہوا یا نہین
اس راز کو خدا جانتا ہے یا مین مگر ـــــ نگر مین شہر والون کی نگاہ
مین اول درجہ کا سرکش بغاوت پسند اور حاکم وقت کا عدوے
جانی ہوا! ایسے مجرم کے ساتھ رعایت! معاذ اللہ کفر سے کم نہین
جب چھوٹے چھوٹے لوگ ایسے شخص کو دروازے پر ٹکنے کی اجازت
نہین دیتے تو تم تو بادشاہ کے مقرب خاص اور زمرہ اعزا مین
شامل ہو تم کیونکر مجھے واجب الرحم خیال کرسکتے ہو۔ اگر تم نے
گرفتار کرکے بادشاہ کے حوالے کردیا تو میرا اینس باقی نہ رہے گا
جس گھر کو خدا خدا کرکے چھوٹا ہے پھر اسی محبس مین بند کردیا
جاؤن گا۔ اول تو حکومت ہی کی طرف سے سخت نگرانی ہوگی۔
علاوہ ازین جن لوگون کی محافظت سے نکل بھاگا ہون، اور وہ لوگ
غفلت کے الزام سے متہم ہوکر سزا یاب ہوئے ہین قصاص مین
نہ معلوم میری کیا گت کرین گے؟ جھوٹ بولنا میری عادت نہین
پناہ بخدا! یہ ایسا شرمناک عیب ہے، جو درحقیقت انسان کو
انسان نہین رہنے دیتا بلکہ کچھ اور ہی چیز بنا دیتا ہے! جب نواب
ہمایون جاہ مجھ سے میرے حالات دریافت کرین گے تو بے کم
کاست کل باتین کھول کر بیان کردینا پڑین گی جو خود میرے
واسطے انتہا کی مضرت رسان ہین! (کچھ ٹھہر کر) بہتر تو یہی ہے،
پردہ شب مین نکل جاؤن، کان پور پہونچنے کے بعد بچاؤ کی کوئی
صورت نکل آئے گی، کم از کم بادشاہ کے دسترس سے باہر ہو جانا
ضروری ہے۔ اُف کیسی مصیبت؟ میرے پاس فاقہ شکنی کو ایک

پانی بھی نہیں! نواب کی فیاضی سے امید ہے، اگر یہاں کی کوئی چیز بغیر
اجازت لے لوں تو وہ کچھ نہ کہیں گے۔ چوری؟ ذلیل ترین جرم! کوئی
شریف ایسا فعل قبیحہ کر سکتا ہے؟ (کچھ سوچ کر) پیٹ کی دوزخ ان
باتوں کی پروا نہیں کرتی، شرافت کا خیال اسی وقت تک ہے جبتک
یہ دوزخ پٹی رہے۔ یہاں تو خاک اڑ رہی ہے، نہیں نہیں! میں بھولتا
ہوں یہ تو چوری نہیں آدم کی اولاد ہمایوں جاہ بھی ہیں اور میں بھی کوئی
وجہ نہیں کہ وہ کروڑوں کی جائداد کا تنہا وارث دار تسلیم کیا جائے اور
میں فاقہ کشی کی مصیبت برداشت کروں؟ ایک جدی ہونے کی جہت سے
ان چیزوں پر جو اس کا حق ہے، وہی میرا! آخر میری جائداد کسی اصول سے
ضبط سرکار ہوئی۔

آخر نفس امارہ نے مغلوب کر لیا! خیالات نیک حتی المقدور روکتے رہے مگر
قیدی! بندۂ نفس امارہ قیدی اپنے باوجود اصول اخلاق شرافت کی واقفیت کے بھی
کچھ خیال نہ کیا! صبح قریب تھی، لیکن رات سے زیادہ تاریکی پھیلی تھی چاروں طرف
گھنگھور گھٹائیں چھائی تھیں، معلوم ہوتا تھا، تھوڑی ہی دیر میں خوب ٹوٹ
ٹوٹ کر پانی پڑے گا۔

قیدی بستر سے اٹھا اور کمرے میں سجا ہوا چاندی کا سامان سمیٹ سمیٹ کر
شال میں باندھنا شروع کیا یہ شال نواب ہمایوں جاہ کی طرف سے اوڑھنے کو مرحمت
ہوئی تھی۔ جس سے قیدی نے۔ ایسا ذلیل کام لیا جو کس طرح موزوں ہی نہ تھا!
افسوس! اس نے نفس سرکش کی بندگی میں اپنی شرافت خاندانی کو بٹہ لگا دیا! اس کی
جبین ایسے داغ سے داغی ہوئی جو مرنے کے بعد بھی چھوٹنے والا نہیں! اور بعد میں
اسے مدت العمر، بلکہ دم واپسین تک اس حرکت پر کف افسوس ملنا پڑا۔

قیدی نے دو کمروں میں جس قدر نقرئی و طلائی اشیاء دستیاب ہوئیں سمیٹ سمیٹ
کر شال میں باندھ لیں اس کام سے فارغ ہو کر باغ سے نکلنے کی فکر ہوئی پھاٹک پر
تلنگے پہرا دے رہے تھے ادھر سے جانا ممکن نہ تھا۔ اس نے گٹھر سر پر لادا اور
باغ کے کنج میں پہنچا۔ چاروں طرف پہلے سن گن لی پھر گھوم پھر کر پشت والی دیوار

پھاند کر باہر جانا تجویز کیا۔ دیوار سے ملحق انبر کا درخت تھا جس کی ایک شاخ دیوار پر سے ہو کے گئی تھی۔ قیدی کا بے تکلفی سے گٹھری سمیت درخت پر چڑھ گیا پہلے آہستہ سے گٹھری نیچے پھینکی۔ بارش کے پانی نے زمین کو پولا کر دیا تھا گٹھری گرنے کی آواز نہ ہوئی اور ہوئی بھی تو اتنی کہ سونے والے محسوس نہ کر سکے گٹھری پھینکنے کے بعد خود دیوار پکڑ کر لٹکا اور نم زمین دیکھ کر ہاتھ چھوڑ دیئے دیوار زیادہ بلند نہ تھی لٹکنے سے بلندی اور بھی گھٹ گئی۔ جب قیدی نے زمین پر قدم ٹکا نے کے بعد گٹھری اٹھا کر آگے چلنے کا قصد کیا اس وقت دوسرے انبہ کے پیڑ پر بیٹھی ہوئی کوئل کوک اٹھی! اس کی پاٹ دار سریلی آواز خاموش فضا میں دور تک پھیل گئی اور قیدی کا نہ معلوم کیوں متاثر ہو کر کھڑا ہو گیا؟ کئی مرتبہ دل چاہا جس عنوان سے باغ کی دیوار پھاند کر باہر آیا ہوں، اسی صورت سے واپس جا کر سب چیزیں جہاں کی تہاں رکھ دوں۔ اندھیرے میں کسی نے میرے افعال شنیعہ پر نظر نہ کی ہوگی! صبح ہونے میں کم سے کم ایک گھنٹے کی کسر ہے۔ اس عرصہ میں کل چیزیں آسانی سے اپنی اپنی جگہ پہونچ سکتی ہیں۔ دو تین مرتبہ قیدی دیوار کے قریب جا جا کر واپس آیا، اس کا نفس سرکشی کر رہا تھا کبھی نیکیاں بدیوں کو مغلوب کر کے اس کے قلب کو ایمانداری اور دیانت کی طرف مائل کرتی تھیں، کبھی نفس امارہ ان خیالات کو ڈھکوسلا بتا کر نیکیوں سے روک لیتا۔

اس کش مکش میں صبح ہو گئی! ابر چھنٹ گیا اور مشرقی افق سے نگار تسکین رخ کی نمود کے سامان نظر آنے لگے! قیدی بھاگنے پر مجبور ہوا، باغ میں نازنین کی آنکھ کھل چکی ہوگی؟ یہ خیال تھا جو قیدی کے دل میں بجلی کی طرح پیدا ہو گیا وقت ہاتھ سے جا چکا تھا، افسوس یا فکر کی حالت میں وہاں ٹھہرنا وقت کو اور بھی ضائع کرنا تھا۔

کل جب وہ اس طرف آیا تھا تو بسبب فاقہ کشی پاؤں میں چلنے کی طاقت نہ تھی مگر آج اس کا پیٹ بھرا تھا کہ سر پر بوجھ لادنے کے بعد بھی تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگا۔

تیسرا باب (۳)

بدی کا جواب نیکی ہے

نفس انسانی سرکش ہے اس کی سرکشیاں اکثر صالحین کی ریاضتیں، زاہدین کا زہد اور ایمان داروں کے غرور خدا پرستی کو کچے دھاگے کی طرح توڑ کر خاک میں ملا دیتی ہیں، مگر پہلو میں رہنے والا مضغۂ گوشت (دل) انتہا کا انصاف پسند واقع ہوا، جب انسان بد ارادے سے قدم اٹھاتا ہے تو ہر گام پر اس کا ضمیر چشم نمائی کرتا اور صداقت حق کی طرف کھینچتا ہے، بہت نفس امارہ سے مغلوب ہو کر قلب کی اعلٰی فہمائشوں کی پروا نہیں کرتے اور اپنے پاؤں سے بڑھتے بڑھتے قعر ذلت میں گر پڑتے ہیں جو اصلاح پذیر طبائع نیکی و بدی میں امتیاز کرنے کی قدرت رکھتے ہیں وہ البتہ محفوظ و مصئون رہتے ہیں۔

قیدی نے جو مذموم حرکت کی تھی اب اس پر اس کا صداقت شناس دل نفرین کر رہا تھا اس نے محسوس کر لیا تھا کہ میرے نازیبا افعال نے مجھے بالآخر عزت و حرمت کی بلندی سے گرا کر ذلیل ترین پستی میں پہنچا دیا۔ وقت گزر جانے کے بعد واپس نہیں ہوتا۔ اچھے برے افعال صادر ہونے کے ساتھ مٹ جاتے ہیں مگر ان کے نیک و بد اثرات صفحات عالم پر کچھ اس طرح ثبت ہو جاتے ہیں، جو کبھی مٹائے نہیں مٹتے۔

آفتاب نے اپنے چہرے سے نقاب دور کر دی تھی اس کا عریاں چہرہ اپنی جوت سے کرہ زمین کی تمام موجودات کو چمکا رہا تھا اور رات بھر ابر کی تاریکی میں پوشیدہ رہنے والی چیزیں نیچرل رنگینیوں سے آراستہ ہو کر چمک اٹھی تھیں۔ قیدی گناہوں کا انبار سر پر لادے تیزی سے سڑک پر بھاگوں بھاگ چلا جاتا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہاں جانا چاہتا ہے اور

کس طرف بڑھ رہا ہے؟ تخمیناً دو تین میل مسافت طے کر گیا۔
دو برس جیل میں پاؤں توڑ کر بیٹھنے سے چلنے کی عادت بالکل چھوٹ
گئی تھی، اتنی ہی مسافت نے پاؤں سجا دیئے طاقت طاق ہو گئی اور وہ ایک
درخت کے سایہ میں بیٹھ کر دم لینے لگا۔

یہ منزل اس کی عزت ظاہری کی آخری منزل تھی جس کے بعد ہی اسے
اپنے افعال پر اس طرح شرمندہ ہونا پڑا جو شرمندہ ہونے کا حق تھا
جس اسباب کو اس نے ناجائز عنوان سے آئندہ فائدہ اٹھانے کی توقع میں
فراہم کیا تھا اس کے کام آنے سے پہلے ہی عجیب طریقے سے اپنے ٹھکانے پر
واپس پہونچ گیا۔

درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے مشکل سے نصف ساعت گذری ہوگی کہ شہر
کی طرف سے دو سوار سپاہیانہ وضع بنائے تلواریں حمائل کیے آتے نظر آئے انکے
مرکب کنکوتیاں بدلتے اور خوش فعلیاں کرتے اسی طرف آ رہے تھے جب قیدی کے
قریب پہونچے تو سوئے اتفاق سے ایک سوار کا کوڑا ہاتھ سے چھوٹ کر زمین
پر گر پڑا قیدی وہاں سے بہت قریب تھا اس نے اٹھ کر زمین سے کوڑا اٹھایا اور
بڑھ کر سوار کو دیدیا۔

سواروں کی وردیوں سے قیدی نے معلوم کر لیا کہ وہ شاہی فوج سے متعلق
ہیں۔ اس علم سے اس کا دل لرز گیا ادہر تو سوار نے کوڑا لیکر گھوڑے کو آگے بڑھایا
ادہر قیدی نے درخت کے نیچے سے گٹھڑ اٹھا کر آگے کا قصد کیا راہ کی کسل
اور تھکن اب بھی پاؤں کو من من بھر کا بنا رہی تھی، لیکن خوفِ اسیری نے تیز گامی
پر مجبور کیا۔

اس کی گھبراہٹ اور باوجود سفید پوشی، سر پر گٹھڑی رکھ کر پاپیادہ سفر
کرنے نے سواروں کو اس کی طرف سے مشکوک کر دیا پلٹے تو دونوں نے آپس
میں کچھ مشورہ کیا، پھر گھوڑوں کی باگیں موڑ کر قیدی کی طرف دوڑ پڑے۔
قیدی پاپیادہ تھا، گو اس نے تیز بھاگنے کی کوشش کی، لیکن گھوڑوں سے
آگے جانا اس کی طاقت سے بعید تھا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں سواروں نے گھیر کر

پکڑ لیا قیدی کے حواس غائب ہوگئے، موت کی تصویرین آنکھون کے سامنے پھرنے لگی سوارون نے گٹھری کھول کر سامان نکالا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس پر نہایت خوشخطی کے ساتھ بخط طغرا نواب ہمایون جاہ کا نام کندہ نہ ہو۔

ایک سوار۔ کیون جی، تم کو یہ چیزین کہان سے ملین؟"

قیدی۔ "خاموش!"

دوسرا سوار۔ "تمھاری خاموشی جرم کا ثبوت ہے۔"

قیدی کے منھ سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ اس کا ضمیر اسے نادم کر رہا تھا، اور پاداش عمل کا وقت سر پر آ چکا تھا، بہت ممکن تھا وہ کوئی عذر حیلہ کر دیتا لیکن ایک جرم کے بعد دوسرا قصور کرنے کی ہمت قیدی کو نہ ہوئی۔ جھوٹ سے اس کو قطعی نفرت تھی بالفرض وہ گلو خلاصی کے واسطے جھوٹ بولنا گوارا کر لیتا تو بھی ان قوی دلائل کا مٹانا ناممکن نہ تھا جو برتنون اور آرائشی چیزون پر ہمایون جاہ کا نام کندہ ہونے سے سوارون کو بہم پہونچ چکے تھے۔ ان مصالح پر نظر کرتے ہوئے قیدی کو خاموشی کے سوا کوئی چارہ کار نہ سوجھا۔

سوارون نے چوری کا یقین کرنے کے بعد باگ دوڑ سے قیدی کو جکڑ لیا اور سیدھے نواب ہمایون جاہ کے باغ کی طرف روانہ ہوئے صبح کا وقت تھا اور نواب بیدار ہوکر باہر تشریف فرما ہو چکے تھے اب تک وہان والون سے کسی کو بھی کی سگے بھاگ جانے کا علم نہ تھا۔ نواب نے بھی اس خیال سے کہ مصیبت اٹھانے کے بعد راحت ملی ہے شاید اسی وجہ سے اب تک آنکھ نہ کھلی ہو اسے پوچھنا پسند نہ کیا۔ جب چوبدار نے دو سوارون کے آنے کی اطلاع کی اور ان کی باریابی کے بعد قیدی بحیثیت سارق پیش کیا گیا تو نواب کے استعجاب کی حد نہ رہی، ایک روز پہلے جب اس نے قیدی کو خراب و خستہ حالت مین دیکھا تھا تو اسکے چہرے سے شرافت و نجابت کے آثار جھلک رہے تھے گویا الماس خاک آلود ہونے کے بعد اپنی مدھم ضو دکھا رہا ہے، اشریفون سے ایسے افعال کا صدور کسی طرح باور کرنے کے قابل ہی نہ تھا۔ ہمایون جاہ کو اس واقعہ نے عجیب کشاکش مین مبتلا کر دیا۔ سوال سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی اس کا نام سب چیزون پر کندہ تھا جو شخص

ایک روز قبل اس کے گھر مین مہمان رہا تھا، وہ چورون کی طرح رسن بستہ سامنے
حاضر تھا اس کی شرمگین نگاہین زمین پر گڑی تھین اور صورت سے ندامت کے
آثار ٹپک رہے تھے، بہت دیر تک غرق تحیر رہ کر نواب نے جواب دیا:
"ہان یہ جملہ چیزین میری ہین، مگر یہ شخص جسے تم لوگ چور سمجھ کر پکڑ لائے
درحقیقت چور نہین معلوم ہوتا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ کل رات کو یہ میرے پاس
آیا تھا، مین نے اس کو اپنا مہمان بنانا منظور کیا چنانچہ یہ رات بھر میرے پاس رہا
مین نے یہ سامان بخوشی اس کو بخش دیا۔ یہ اس کا مالک و مختار ہے۔"
سوار تو فوراً سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ مگر اس شریفانہ سلوک نے قیدی کے
دل پر جو اثر کیا اس کا اظہار قلم کے ذریعہ سے مشکل ہے اگر وہ سخت سے سخت
عذاب کے ساتھ مقید کیا جاتا، اگر اس کے دونون ہاتھ کہنیون سے قطع کر دئیے جاتے
تو بھی اتنی حیرت نہ ہوتی۔ اس نے خیال کیا:
"کیا دنیا مین ایسے پاک نفوس موجود ہین؟ کیا نواب ہمایون جاہ انسان
کے قالب مین خدا کا برگزیدہ فرشتہ ہے، ایسی فیاضی! ایسے اخلاق!!
ایسے نیک برتاؤ!!! اشہد اللہ مین نہین خیال کر سکتا کہ اس جوان امیر
زادے کو کیا سمجھون، آیا ولی اللہ کہون یا نیکیون کا پتلہ؟ انسان
سمجھون یا ملک؟"
قیدی کا سر چکر کھانے لگا، آنکھون کے نیچے اندھیرا چھا گیا، اگرچہ وہ
بیہوش ہو کر زمین پر گرا نہین لیکن ربودگی کے عالم مین تن بدن کی سدھ بھی
نہ رہی۔ بدی کا جواب بدی سے دینا تو کوئی بات نہین جذبۂ انتقام انسان و حیوان
مین یکسان پایا جاتا ہے۔ اور اس سے دونون جنت مین یکسان متاثر ہو کر
حتے المقدور قصاص لیتی ہین، لیکن اہل ظرف جن کی وسیع نظرین انجام کار پر
ہوتی ہین جو انتقام کے صحیح اصولون سے خبردار ہین، وہ بد باطنون کو زور سے مغلوب
نہین کرتے بلکہ اخلاق [illegible] ہمیشہ کے لیے مغلوب کر لیتے ہین [illegible]
تو زبردستی خلاف دانش ہے۔ نواب ہمایون جاہ چاہتا تو قیدی کو آسانی سے
قانون کے حوالے کر سکتا تھا، لیکن دو نفظون مین اس نے عزت و آبرو کے ساتھ

قیدی کی جان بھی بچالی۔یہی وہ چلتا ہوا افسون تھا جس نے قیدی کو احسانمندی کے ساتھ حقیقی جذبہ ارادات سے شرمسار کر دیا۔

نواب کے مصاحبین ان واقعات سے مطلق خبردار نہ تھے۔ان کو بالکل علم نہ تھا کہ کسی وقت نواب ہمایون جاہ نے نووارد سے گفتگو کی اور کب یہ سامان دے کے رخصت کیا؟ مگر نواب کا رعب و دبدبہ دریافت حال کی اجازت نہ دیتا تھا۔

سواروں کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک نواب تفحص آمیز نظروں سے قیدی کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر مصاحبین کو تخلیہ کر دینے کا حکم دیا حاضرین فوراً کمرے سے اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

ہمایون جاہ۔ قیدی سے "اب تک مجھے تمھارے نام کا بھی علم نہیں! نہین جانتا کیا کہہ کر مخاطب کرون؟ بہرطور مین تم سے تمھارے حالات دریافت کرنا چاہتا ہون تمھین کسی قسم کا حجاب نہ رہے اس لیے تخلیہ کرا دیا میرے آدمیون مین اتنی جرات نہین جو میرے حکم کے خلاف کر سکین جب تک مین آواز دے کر نہ بلاؤن گا کوئی یہان نہین آسکتا۔ تمھاری صورت سے شرافت و امارت ظاہر ہے بظاہر تم مفلس و نادار ہو مگر یہ ناداری کسی وجہ سے ہے مصیبت کسی قوم یا فرقہ یا فرد کے لیے مخصوص نہین کبھی صاحب تخت و تاج اس کا شکار ہوتا ہے، تو وہ خانہ بدوش جو عوام الناس کی نظرون مین مصیبت ہی کے واسطے خلق ہوا ہے اور اس کی ظاہری حالت مصیبت ناک زندگی کی شاہد ہے۔ مجھے تعجب ہے تم نے چوری کی جرات کیون کر کی؟ تمھارے چہرے کے دلکش خط و خال دیکھنے سے تو ایسا معلوم نہین ہوتا؟ کبھی کبھی نفس سرکش غلطی مین مبتلا کر دیتا ہے مجھے یقین ہے تم بھی غلطی مین مبتلا ہو گئے اس لیے یہ حرکت قابل عفو ہے نہ زمانہ مصیبت عقلون کو سالم نہین رہنے دیتا مذموم افعال جہالت کا لازمی نتیجہ ہین مین تمھین کسی الزام سے متہم کرنا پسند نہین کرتا بلکہ جو کچھ امور ظاہر ہوے یہ سب دماغ کی پراگندگی کا کرشمہ ہے مجھے امید ہے تم پس و پیش کے کل حالات واضح طور پر بیان کر دو گے تمھارے حالات معلوم کرنے کے بعد ہی غور کرون گا کہ تم کس قسم کی ہمدردی کے مستحق ہو اور مجھے تمھارے ساتھ کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

قیدی سرنگوں سامنے حاضر تھا۔ زبان سے کوئی لفظ نہ نکل سکتی تھی! شرمندگی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی کوئی شک نہیں اگر اس وقت اس کا قابو ہوتا تو کلیجے میں چھری بھونک کر شرمناک ہستی کا خاتمہ کر دیتا کئی منٹ تک سوچتا رہا کیا جواب دوں؟ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی دل چاہتا تھا کسی صورت سے چھپکر بھاگ جاؤں مگر پاؤں کو نہ جانے کیا ہوگیا تھا، جو اٹھتے ہی نہ تھے گویا زمین میں جم کر رہ گئے تھے! کمرے میں سکون مطلق طاری تھا۔ نواب ہمایوں جاہ انتظار جواب اور قیدی دلی تشویشات میں غرق تھا۔ کچھ دیر بعد نواب نے پھر کہا۔

تمھاری کا شرمندگی۔ غیرت طبعی کی دلیل ہے، میں تمھاری جبین پر عرق انفعال دیکھ رہا ہوں یہی وہ اسباب ہیں جو تمھاری جانب اچھے خیالات قائم کرانے پر مصر ہیں، تم کو ذرا بھی پس و پیش نہ کرنا چاہئے۔ تمھارے رازوں کو اپنے راز سمجھ کر ہمیشہ دل میں رکھوں گا۔ تم سے جس غلطی کا ارتکاب ہوگیا ہے اُسے بجز میرے تمھارے اور خدا کی ذات کے کوئی سمجھ نہ سکے گا میرے مصاحبین بھی حتی کہ کرم علی بھی لاعلم رہے گا میں تمھارا دوست ہوں کہو اب کیا عذر ہے؟"

قیدی:- "بدقت" میرے نیک مزاج محسن! میرا قصہ طویل ہے جسے تمام و کمال بیان کرنے کو نہ تو وقت ہی ہے نہ فضول سمع خراشی کرنے کی ضرورت مختصر یہ ہے، کہ کسی زمانہ میں میں بھی آپ کی طرح ذی ثروت و صاحب اقتدار امیر تھا، میری ڈیوڑھی پر بھی ہاتھی جھوما کرتے تھے میرے گرد بھی مصاحبین کا گروہ پھرتا تھا دربار میں وقار حاصل تھا اور شاید امیر الامرا کے معزز لقب سے ملقب تھا دشمنوں سے میرا عروج دیکھا نہ گیا بادشاہ کے کان بھرے جانے لگے رزیڈنٹ کو میرے خلاف ابھارا گیا۔ مگر چند عرصہ تک اپنی بیدار مغزی کی بدولت دشمنوں کے حملے رد کرتا رہا آخر کب تک بقول شخصے

اس طرف ساری خدائی تھی ادھر کچھ بھی نہیں

اغیار کا منتر بادشاہ پر کارگر ہوا مجھ پر بغاوت کا الزام لگایا گیا جائداد ضبط ہوئی اور میں پابہ زنجیر کرکے جیل میں پہنچ دیا گیا دو برس ناخوش گوار زندگی بسر کی۔ کل کسی نہ کسی عنوان جیل سے نکل بھاگا اور آپ کی حضوری میں

حاضر ہوا۔ آپ نے جس حسن اخلاق سے میری پذیرائی کی اس کا اعتراف ہر موئے تن کر رہا ہے۔ جب تک مین خوابگاہ مین سونے گیا ہون اس وقت تک میرے دل مین چوری کا خیال تک بھی نہ تھا کاش مین رات ہی کو یہان سے رخصت کر دیا جاتا، یا کوئی موذی جانور مجھے ڈس کر صبح سے پہلے پہلے فنا کر دیتا تو اس کلنگ سے بچ جاتا۔ افسوس آدھی رات کو مچھر کے کاٹنے سے آنکھ کھلی پھر سونے کا بہت قصد کیا مگر نیند نہ آئی۔ خیالات کا ہجوم ہوا اور شیطان نے بہکا کر چوری پر آمادہ کر دیا اگرچہ کوئی مجرم آسانی سے اقبال جرم نہین کرتا، لیکن مین اپنے نفس کو ذلیل کرنے کے لیے خوشی سے مقر ہون کہ مین نے چوری کی مگر اس وقت جب کہ دنیا مین میرا کوئی سہارا باقی نہ تھا جب مجھے یہان رہنے مین پھر گرفتار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ دست سوال پھیلانے کی عادت نہ تھی۔ مین نے سوچا کہ آدم کی اولاد مین بھی ہون اور آپ بھی۔ اس رشتہ سے ہم دونون بھائی ہین کوئی وجہ نہین کہ ایک بھائی تو میراث پائے اور دوسرا محروم کر دیا جائے، میرا بھی ان تمام چیزون مین حق ہے۔ اگر ضرورت رفع کرنے کے واسطے تھوڑا سا سامان لے کر اپنا کام نکال لون تو ہرج نہین ہے۔ یہ خیالات تھے جس نے چوری کرنے پر آمادہ کیا مین نے شال مین نقرئی و طلائی چیزین باندھین اور صبح سے قبل باغ کی عقبی دیوار پھاند کر نکل گیا دیوار پھاندتے ہی، میرے نفس نے مجھ پر نفرین کرنا شروع کر دی حلفیہ کہنے پر تیار ہون کہ کئی بار مین دیوار کے قریب تک صرف اس نیت سے آیا کہ واپس جا کر سب چیزین جہان کی تہان رکھ دون۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ صبح کو آپ میرا احوال دریافت فرمائین گے۔ چونکہ مجھے جھوٹ سے قطعی نفرت ہی اور راست بیانی خطرے سے خالی نہین۔ باغی پر کوئی رحم نہین کرتا ایسا نہ ہو آپ مجھے گرفتار کرا دین۔ اپنے نیک ارادون سے باز رہا۔ اسی حیص بیص مین دن نکل آیا اور مجبوراً اپنی جان لیکر بھاگنا پڑا شاید یہان سے تین میل جا سکا ہون گا کہ یہ دونون سوار ملے اور گرفتار کر کے یہان لے آئے۔"

ہمایون جاہ "تم نے جو کچھ بیان کیا یقیناً سچ ہے۔ مجھے اسکی صداقت مین کلام نہین تم پر بغاوت کا الزام عاید ہوا تھا اس لیے تم نواب کلب حسین خان ہو۔"

نہ معلوم اس نام مین کیا اثر تھا کہ قیدی بے اختیار آہ کرکے گر پڑا، دونون
آنکھین بند ہو گئین اور دانت بیٹھ گئے ہمایون جاہ نے اس وقت بھی کسی خادم کو
طلب نہین کیا- بلکہ بلور کی صراحی جو وہین طاقچہ مین رکھی تھی اٹھائی اور چلو مین پانی
لے لے کر بے ہوش قیدی کے منھ پر چھینٹے دینا شروع کر دیئے۔ دو تین منٹ
بعد قیدی نے آنکھین کھول دین اس کا چہرہ بالکل ستا گیا تھا، معلوم ہوتا تھا
سارے جسم کا خون کسی نے منھ لگا کر چوس لیا ہے! ناتوانی اس درجہ بڑھی
ہوئی تھی کہ شاید مہینون بخار آنے کے بعد بھی ایسی نقاہت نہ ہوتی ہوگی!"
قیدی- "آہ! یہ نہ سنئے- مجھے اس نام سے خوف آتا ہے- اس نام کا امیر آج دو برس
ہوئے دنیا سے اٹھ چکا اس کے وجود سے دنیا آباد نہین ہے مین گمنام شاہی مجرم اور ذلیل
ترین چور ہون اپنے افعال سے اس شریف و معزز نام کو مطعون کرنا نہین چاہتا
مجھے کسی اور نام سے یاد کیجئے- لیکن للہ آئندہ میرے کانون تک یہ نام نہ پہنچ سکے"
ہمایون جاہ- خیر مین تکلیف دینا نہین چاہتا تم جو نام پسند کرو گے اسی نام سے
مخاطب کیا کرون گا- فی الحال مین ایک نصیحت کرنا چاہتا ہون تم مجھ سے زیادہ
سمجھ دار دور اندیش اور دانش مند ہو فہم و فراست مین تمھاری ہمسری ممکن نہین
مگر مصیبتون نے تمھاری عقل کو سالم نہین رکھا ہے، اسی وجہ سے تم نے بعض
ایسی نادانیان کی ہین جن پر مدت العمر کف افسوس ملوگے مین صرف اتنا کہنا چاہتا
ہون کہ گذشتہ واقعات کو بالکل بھول جاؤ جو گذر گیا اس کی تلافی اس صورت سے
ممکن نہین کہ جیسے وہ واقعات پیش ہی نہین آئے تھے! ہان اگر نعم البدل کیا چاہو
تو نیک زندگی اختیار کرو مظلومون کی دادرسی محتاجون کی اعانت کمزورون کی
امداد دشمنون کی مدارات، دوستون کی تواضع یہ ایسی صفتین ہین جو انسانون کو
فرشتہ بنا دیتی ہین اور خلقت جھکنے پر مجبور ہوتی ہے کوئی بھی ہو لیکن ان
اوصاف والا شخص ہر زمانے اور ہر حال مین مطبوع و لائق رہے گا عزت دار
عزت کرین گے، عوام سر آنکھون پر بٹھانے کو تیار ہون گے- مین تم کو اپنے پاس
رکھتا اور وہی قدر منزلت کرتا جس کے تم مستحق ہو لیکن خیال ہے کہ تمھاری
آنکھین ہمیشہ میرے سامنے جھینپتی رہین گی تم جب مجھے دیکھو گے اپنی غلطی یاد

کر کے شریف ہو جاؤ اگر ہو گئے اس لیے مین اپنے ایک دوست کے پاس سفارشی خط لکھے دیتا ہون، تم اس کے پاس چلے جاؤ وہ اپنے بھائی کا داروغہ بنا کر رکھ لین گے وہان تمھین اچھی طرح تلافی مافات کا موقعہ ملے گا اگر تم نیک زندگی بسر کروگے تو مجھے دلی خوشی حاصل ہو گی۔ غالباً تم کو یہ گمان ہو کہ وہان پہونچنے کے بعد پہچان لیے جاؤ اور شاہی پولیس گرفتار کر کے پھر قانون کے حوالے کر دے تو مین تم کو اطمینان دلاتا ہون، اول تو یون ہی تمھاری صورت مین بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے، مین نے تمھین دو برس پہلے بھی دیکھا تھا اور جب تم جیل جانے لگے ہو اس وقت بھی مین تمھارے قریب موجود تھا لیکن محض دو سال مین جو فرق پیدا ہوا اس نے میری نظر کو دھوکا دے دیا۔ اس لیے کوئی اور بھی پہچان نہ سکے گا تمھارے مزید اطمینان کے واسطے مین یہ بھی لکھ دون گا وہ بجائے لکھنؤ مین رکھنے کے تم کو کانپور بھیج دین۔ وہان ان کی بہت بڑی جائداد ہے اور اسی طرف بہت سے گاؤن ہین جو جاگیر کے علاوہ انھون نے خود خرید کیے ہین!"

قیدی "میرے پاس وہ لفظین نہین جنھین اظہار شکر گذاری مین استعمال کر سکون۔ ہان خدا کو حاضر و ناظر جان کے اور آپ کے احسانات کی قسم کھا کر صمیم قلب سے وعدہ کرتا ہون کہ آپ کے نصائح پر ہمیشہ کاربند ہون گا اب میرے قدم جادۂ حق و صداقت سے کبھی نہ ڈگمگین گے بلکہ تمام عمر نیکی اور خلق اللہ کی بھلائی مین گذار دون گا مجھ سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے اس پر تمام عمر اشک ندامت بہاؤن گا شاید غفور الرحیم توبہ قبول فرما کر گناہ بخش دے مین قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتا ہون کہ بادشاہ کے ساتھ بغاوت کرنے کا جرم مجھ سے عمل مین نہین آیا محض عداوت مین لوگون نے مجھے گرفتار کر کے بادشاہ سے سزا دلوا دی۔ مین اب بھی اپنے بادشاہ کی وفادار رعایا ہون اور ان کے پسینے پر خون بہانے کو تیار ہون مگر دربار مین دشمنون کا زور ہے اگر مین اپنی صفائی پیش کرنے حاضر ہو جاؤن تو فوراً وہ لوگ بھڑکا کر میرے قتل کا حکم حاصل کر لین اس لیے مین فی الحال دربار مین جانا نہین چاہتا مجھے اب جان کی پروا نہین، لیکن جینا چاہتا ہون صرف اس غرض سے کہ اب تک جو گناہ کر چکا ہون ان کی تھوڑی بہت تلافی

کر سلون۔ بجز اس ایک مجرد خواہش کے میرے قلب مین کوئی آرزو باقی نہین رہا میرے نام کا مسئلہ، چونکہ آپ کی ہدایتون سے مین نے نیک زندگی اختیار کی ہے اس لیے چاہتا ہون، آپ ہی کوئی نام بھی تجویز فرما دین جو آیندہ برکت کا باعث ہو

ہمایون جاہ۔ کچھ سوچ کر" میرے نزدیک حامد حسین خان نام اچھا ہے اگر تم پسند کرو تو مین خط مین بھی نام تحریر کر دون "

قیدی نے جھک کر سلام کرتے ہوئے "جو آپ مناسب خیال فرمائین مجھے کسی نام مین عذر نہین "

چوتھا باب

خداداد قوت

ہمایون جاہ نے سفارشی خط تحریر کر کے اپنی مہر و دستخط سے مزین کیا اور خریطے مین بند کر کے حامد حسین خان کے حوالے کر دیا "

نصیر الدین حیدر غازی کا عہد حکومت لکھنؤ کا شباب تھا شہر مین ہر طرف ہن برس رہا تھا۔ رعایا شاد و آباد تھی کبھی ملکہ زمانیہ کی فیاضیون اور عروج کا آوازہ اہل شہر کو اپنی طرف کھینچتا تو کبھی قدسیہ محل کی علو ہمتی اور علو العزمی اپنی طرف نگاہین پھیرتی۔ بیگمات کے متوسلین سونے چاندی کے مکان بنوا رہے تھے "

ملک بادشاہ کے طور طریقون سے متاثر ہوتا ہے، نصیر الدین حیدر کی فیاضیون نے امرا کو بھی سخاوت کا سبق پڑھا دیا تھا، کوئی درباری امیر ایسا نہ تھا جو ہم عصرون سے گوئے سبقت نہ لے جانا چاہتا ہو، منجملہ اور امیرون کے نواب قربان حسین خان بھی ایک امیر تھے جسے حضور شاہی سے مقرب السلطان کا خطاب عنایت ہوا تھا علاوہ جاگیر و املاک کے کانپور کی طرف اس کے

بہت سے گاؤں گراؤں تھے، جو بذات خود نواب نے خرید کیے تھے۔"

یوں تو لکھنؤ میں عام طور پر تعیش پسندی رائج تھی۔ مگر کچھ مخصوص امیر زادے باوجود ناز نعم کے پرورش یافتہ ہونے کے اول درجے کے فہیم اور جفاکش تھے۔ نواب قربان حسین خاں بھی انھیں امیروں میں تھے۔ جب وہ لکھنؤ میں ہوتے تو ان کی عشرت پرستی اور راحت طلبی شہر کے اکثر امرا پر فوقیت رکھتی تھی۔ مگر جب جاگیر کا دورا کرتے تو میدان جنگ کے شمشیر بکف سپاہی سے زیادہ جفاکش ثابت ہوتے!"

نواب کی عمر ۳۵ سال سے زیادہ نہ تھی۔ سولہ برس کی عمر میں جائداد موروثی پر قابض ہوئے تھے اور اب تک بڑی قابلیت سے تمام کارخانہ چلاتے رہے۔ ورثا ئے قریب میں صرف ایک بڑی ہمشیر تھیں جو بادشاہ کے کسی عزیز سے منسوب تھیں۔ اور ایک لڑکا تھا جس کی عمر اس وقت ۷ سال کی تھی۔ مگر نہایت ذہین، و طباع۔ لکھنؤ کے نامی گرامی علما کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پا رہا تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے جن علوم کا حاصل کرنا ضروری تھا، قربان حسین خاں نے انھیں علوم پر زیادہ زور دیا تھا۔ لڑکے کا نام حاتم علی خاں تھا مگر بزرگ پیار سے چھبن کہا کرتے تھے۔"

نواب ہمایوں جاہ اور مقرب السلطان نواب قربان حسین خاں میں نہایت تپاک تھا۔ کوئی غیریت نہ تھی اکثر یہ اُن کے یہاں اور وہ اُن کے یہاں مہمان رہا کرتے۔ دونوں کے اخلاق و عادات، افتاد مزاج بالکل ایک سی واقع ہوئی تھی۔ حامد حسین کی سفارشی خط ہمایوں جاہ نے اسی امیر کے نام تحریر کیا تھا۔"

حامد حسین اگرچہ قربان حسین خاں کے یہاں آتے ہوئے جھجکتا تھا کیونکہ یہ لوگ اس کے عروج کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے لیکن وقت کی سختی اور ضروریات کی مجبوریاں خود رایوں کی دشمن تھیں دل نہ چاہنے پر بھی حامد حسین کو منظور کرنا پڑا۔"

وہ روز تو ہمایوں جاہ کی صحبت میں بسر ہو گیا دوسرے روز علی الصباح

نواب نے اصطبل سے ایک گھوڑا کسوا کر منگوا دیا اور چند گنیاں بطور راہ خرچ عنایت فرما کر لکھنؤ کی طرف رخصت کر دیا۔ حامد حسین چلا تو مگر دل ہی دل میں خیالی گتھیوں کو سلجھاتا ہوا اس کی آنکھوں میں گذشتہ زمانہ کی تصویریں گھوم رہی تھیں وہ بھی زمانہ تھا جب حاجت مند اس کے سامنے حاضر ہو کر حاجتیں بیان کرتے تھے اس وقت ان کے قلوب امید و بیم کے متضاد خیالات سے مملو ہوتے تھے، ان کی نگاہیں ادب آموز انداز سے حامد حسین کے لبوں کی طرف نگراں ہوتیں، اور کان گوش بر آواز! اس کی سواری اکثر اسی راہ سے برسات کا لطف اٹھانے کو گذر چکی تھی اس وقت اس کے ساتھ ملازمین کا انبوہ کثیر تھا اسکا جاہ و تجمل، دیکھنے والوں کے دلوں کو مرعوب کر دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ خیالات اس منظر سے ہٹ کر دوسرے راستے پر جا پڑے۔ وہ وقت پیش نگاہ ہو گیا جب باغی مجرموں کی طرح رسن بستہ کر کے اسی راہ سے جیل بھیجا گیا تھا، چاروں طرف شاہی گارد تھا، وسط میں وہ مجبوری و بے کسی کے ساتھ پا بہ دست دگرے دست بدست دگرے۔ جا رہا تھا"

خیالات کا تانتا بندھا تھا، اس نے راہ کی دلچسپیوں کو مطلق نہ دیکھا آنکھیں کھلیں ہوئی تھیں مگر خیالی صورتوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا = رفتہ رفتہ شہر میں داخل ہو گیا۔ بازاروں سے گذرتا ہوا نواب قربان حسین خان کی ڈیوڑھی پر پہونچ گیا"

نواب ہمایوں جاہ کے یہاں سے اکثر لوگ نواب کے یہاں آیا کرتے تھے پاسبانوں کو عام حکم دیا گیا تھا۔ جو شخص، نواب ہمایوں جاہ کے یہاں سے آئے اسے روکا نہ جائے بلکہ فوراً حضور میں پیش کیا جائے اس لیے حامد حسین کو دروازہ پر ٹھہر کر طلبی کا انتظار نہ کرنا پڑا۔ اطلاع ہوتے ہی نواب نے فوراً بلا لیا حامد حسین نے ادب آموز انداز سے سلام کیا اور نواب کا خط پیش کیا۔ نواب قربان حسین نے خط پڑھا مضمون سے مطلع ہو کر فرمایا"

"تم ملازمت چاہتے ہو"

حامد حسین۔ جی ہاں حضور"

قربان حسین۔ ہمایون نے لکھا ہے، انھین کان پور کی جائداد کا مختار کر دو اس لیے مین تمھین مختار کرتا ہون زیادہ پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہین۔ ہمایون بغیر سمجھے ہوسے کبھی کوئی بات لکھنے والا نہین ابھی دو چار روز یہان رہ کر آرام کرو، پھر کانپور چلے جانا۔"

حامد حسین کو رضامندی ظاہر کرنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ "وہ بہت خوب" کہہ کہ خاموش ہو رہا۔ نواب قربان حسین نے اسی وقت داروغہ کو بلا کر اس کے رہنے کے واسطے کوئی کمرہ تجویز کرنے کا حکم دیا اس زمانہ مین مکان کا ہیکو اچھے خاصے قلعہ ہوتے تھے، جہان ایک دو کا کیا ذکر سیکڑون مہمان آجائین تو آسانی سے رہنے کا انتظام ہو جاسے داروغہ نے نواب کے حکم کی تعمیل مین ایک آرام دہ کمرہ کھول دیا اور تمام ضروری چیزین فراہم کر دین۔

حامد حسین نے کمر کھولی اسباب ہی تو کوئی چیز تھی ہی نہین اچکن اتار کر کھونٹی پر ٹانگی اور آبدار خانے مین جا کر منہہ ہاتھ دھویا ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے ٹھکانے پر واپس آکر بیٹھا ہی تھا کہ داروغہ باورچی خانہ مزدور کے سر پر کھانے کا خوان لیے آموجود ہوا۔ دسترخوان بچھ گیا اور برتن چن دیے گئے۔ اگرچہ ایک آدمی کے واسطے کھانا آیا تھا لیکن دس آدمی بھی ہوتے تو سیر ہو کر کھا سکتے تھے۔ ہمایون جاہ کے وہان سے آنے کے بعد حامد حسین نے یہین لذیذ غذا کھائی۔

دو روز عافیت سے گزر گئے اس درمیان مین دو مرتبہ نواب قربان حسین خان کی حضوری کا فخر حاصل ہوا تعجب تو یہ ہے کہ گفتگوون کی صحبت مین بھی قربان حسین نے حامد حسین سے اس کے متعلق کوئی سوال نہین! جس سے حامد حسین نے خیال کر لیا کہ شاید نواب ہمایون جاہ نے دریافت حال کی ممانعت لکھ دی ہوگی۔

حقیقت میں واقعہ یہی تھا ہمایون جاہ نے قرائن سے معلوم کر لیا تھا کہ حامد حسین کو غلط بیانی سے طبعاً نفرت ہے اگر قربان حسین واقعات دریافت کرینگے تو وہ پوست کندہ حال کہیگا۔ منجملہ اور واقعات کے چوری کا شرمناک

واقعہ بھی بیان کرے گا جس کے بعد اس کی عزت وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دے گی
اور اسے مجبوراً منہ چھپا کر بھاگنا پڑے گا محض اس خیال سے ہمایوں جاہ
نے اپنے محبت نامہ میں لکھ دیا تھا کہ حامد حسین کے تفصیلی واقعات دریافت
کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کل باتیں سمجھ لی ہیں۔

دو روز گذرنے کے بعد قربان حسین نے مہری فرمان عنایت کرکے حامد حسین
کو کانپور روانہ کر دیا راہ کی مسافت کا تذکرہ بیکار ہے لکھنؤ سے کانپور تک
جانے میں جتنا وقت صرف ہوتا تھا ہوا، جتنی دقتیں اصولاً پیش آنا چاہئے
تھیں آئیں، مختصر یہ ہے کہ حامد حسین بخیر و خوبی اپنی ڈیوٹی پر پہونچ گیا۔ نواب کا
فرمان۔ قربان قضا تھا، جس کے سامنے ان کے ماتحتین کو مجال دم زدن نہ تھی
جس طرح احکام جاری کیے گئے تھے ان پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔

چند روز کی بود و باش سے محلے پر روشن ہو گیا کہ ان کے آقائے ولی نعمت
نے اس انتخاب میں غلطی نہیں کی بلکہ ایک ایسے نہایت درجہ کریم النفس رحیم
الطبع افسر بھیجا۔ حامد حسین کی مہربانیوں اور نرمی نے سارے محلے کو مطیع و معتقد
کر لیا۔ ابتک جتنے افسر آئے تھے ان سب کی حکومتیں محلے والوں کے جسموں تک
محدود تھیں، لیکن حامد حسین نے ان کے قلوب بھی مسخر کر لیے۔

کانپور میں حامد حسین کو تین سال گذر گئے اس درمیان میں کوئی خاص
واقعہ اس قابل نہ ہوا جو قابل ذکر سمجھ کر داخل کتاب ہوتا۔ نواب ہمایوں جاہ
کانپور آ کر نواب قربان حسین کے مہمان تو کئی مرتبہ ہوئے، لیکن حسن اتفاق
سے حامد حسین کو ایک بار بھی شرف ملازمت حاصل نہ ہوا۔

ایک روز حامد حسین کو جاگیر پر تحصیل زر وصول کی غرض سے جانے کی
ضرورت پیش آئی وہ گیا اور کامیابی کے ساتھ جملہ کام انجام دیئے جس روز شام کو
کام ختم ہوا، وہ رات اسے مجبوراً گاؤں میں بسر کرنا پڑی۔ علی الصباح پو پھٹنے
اور آفتاب نکلنے کے پہلے اس نے کوچ کر دیا راہ میں ایک بڑا نالہ عبور کرنا پڑتا
تھا۔ جس وقت حامد حسین نالے کے قریب پہونچا تو دیہاتیوں کا جم غفیر نظر آیا
جو نالے میں جمع ہو کے شور و غل کر رہا تھا۔ ایک چوکیدار کو بھیج کر وجہ دریافت

معلوم ہوا اتفاق [illegible] دریا ایک بار ادھر چھکڑا نالے میں گر گیا اس وقت ایک
بوڑھا [illegible] سے نالے میں بیٹھا تھا۔ اس کا پاؤں دب گیا ہے چھکڑا
اس قدر وزنی ہے کہ بیس تیس دہاتی جوان اٹھانا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں
ہلتا بوڑھا کسان درد سے تڑپ رہا ہے عجب نہیں جو تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ
کر مر جائے۔

حامد حسین سا رقیق القلب شخص ایسا واقعہ سُن کر متاثر نہ ہو بالکل انہونی
بات ہے اس کا دل تڑپ گیا رگ ہمدردی تڑپنے لگی اور بیتاب ہو کر سواری سے
اُتر پڑا۔

ایک زمانے میں اس کی قوت کا آوازہ بلند تھا بارگاہ شاہی سے رستم جنگ کا
خطاب عطا ہوا تھا یہ اس کی کلائی اور پنجہ کا زور تھا کہ وہ سب کی موٹی موٹی سلاخیں
دوہری کر کے جیل سے نکل آیا اب اس طاقت کی نمائش کا وقت آ گیا تھا وہ قدم
بڑھائے نالے میں پہونچا۔ واقعی بوڑھے کسان کے مرنے میں کوئی کسر نہ تھی لوگ
متفقہ کوشش سے پہیا اٹھا کر کسان کا پاؤں نکالنا چاہتے تھے لیکن ان کی کوششیں
عاجزی کا اظہار کر رہی تھیں حامد حسین دو منٹ تک کھڑا رہا پھر ان لوگوں کو
گاڑی کے قریب سے ہٹ جانے کو کہا جب سب لوگ ہٹ گئے تو گاڑی کے پہیے کے پاس
گیا جھک کر دونوں ہاتھوں سے وہ آہنی ڈنڈا تھاما جس میں پہیا لگا تھا اور یا علی
کہہ کر پہلے ہی زور میں پہیا ایک فٹ سے زیادہ بلند کر دیا۔ بوڑھے میں خود تو کھسکنے
کی سکت نہ تھی دوسرے آدمیوں نے کھینچ کر الگ کر دیا حامد حسین نے اس کا گھر دریافت
کر کے گاؤں سے کہار طلب کیے اور انہیں کافی مزدوری دے کر حکم دیا کہ غریب
بوڑھے کو ڈولی پر سوار کر کے اس کے گھر پہونچا دو شہر سے کوئی ہوشیار جراح علاج کے
لیے تعینات کر دو اس کی حق المحنت میں دوں گا۔

جس طرح حکم دیا گیا تھا اسی طرح تعمیل کی گئی۔ بوڑھا کسان اپنے مکان
پہونچ گیا شہر سے ہوشیار جراح علاج کرنے کو گاؤں میں چلا آیا یہ سب کچھ ہوا
لیکن خود حامد حسین کے واسطے اس کی نیکیاں مضر ثابت ہوئیں جب وہ خداداد
قوت سے گاڑی کا پہیا اٹھا رہا تھا اور دہاتی خلقت چاروں طرف سے ہجوم کیے

ہوئے اس کی حیرت انگیز قوت سے متاثر ہو کر عشعش کر رہی تھی ٹھیک اسی وقت
اسی مجمع میں خبیث النفس انسان (کیشو سنگھ) دل ہی دل میں حسین کی ا[illegible]
جل بھن کر کباب ہو رہا تھا۔

کیشو سنگھ سرکار اودھ کا نمک خوار سپاہی تھا، جس زمانے میں نواب کلب حسین خاں مقہور ہو کر جیل بھیجا گیا ہے، یہی کیشو سنگھ اسے لیکر گیا تھا۔ اور پھر اسی کی نگرانی میں نواب کے مکان کا مال اسباب اٹھا کر شاہی خزانے میں آدھے کا تہا پہونچایا گیا، اس کام میں اس نے بہت مال مارے ہزاروں کی چیزوں سے اپنا گھر بھر لیا کامل دو برس تک جہاں تک رسائی ہوئی لوگوں کو نواب کلب حسین کے خلاف ابھارتا رہا یہ بات صرف نواب کلب حسین خاں کے لیے مخصوص نہ تھی بلکہ جس طرح نیش عقرب ہمہ وقت جنبش کیا کرتا ہے، دوست ہے یا دشمن ایکساں ہر ایک کو آزار پہنچانے پر تیار رہتا ہے اسی طرح کیشو رام کی کینہ توزی بھی عام تھی جس صورت سے اس کی خوف ناک و خون آشام تلوار دشمنوں کے لہو میں نہانے کو شائق تھی بالکل اسی حیثیت سے دوستوں کے کلیجے میں ڈوبنے کی مستعد نظر آتی تھی!
الغرض وہ پتلہ تھا، بغض و عداوت کا! پیکر تھا۔ خباثت و قساوت کا!!

تین برس قبل جب کلب حسین خاں کے غائب ہو جانے کی خبر جیلر نے دی تو کیشو سنگھ کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ اس نے بجائے خود کلب حسین خاں کی گرفتاری کا بیڑا اٹھایا اور اس روز سے رات دن تلاش میں سرگرم رہنے لگا۔ جہاں جہاں اس کے ہونے کی امید تھی، خود گیا اور جستجو کی لیکن ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا! جیسے جلتی ناگن پیچ و تاب کھاتی ہے ہر مرتبہ کی ناکامی کے بعد اس کا جوش غضب بڑھتا اور وہ شدید غلیظ قسمیں کھا کر اپنے دل سے عہد و پیمان کرتا رہا۔

نواب کلب حسین خاں کی دو شناختیں عام طور پر مشہور تھیں جن کی وجہ سے ہر شخص جس نے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو آسانی سے پہچان سکتا تھا ایک شناخت تو اس کی قوت خداداد تھی جو چھپائے نہیں چھپ سکتی تھی۔ دوسری پہچان بازو پر زخم کا نشان تھا جو پیادہ شیر کا شکار کھیلتے وقت پنجہ لگ جانے سے آیا تھا!

اس وقت حامد حسین کی قوت دیکھ کر اسے کچھ کچھ شبہہ گذرا لیکن یکایک خیال ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکا۔ حامد حسین ایک بڑی سرکار کا مختار کل تھا۔ صرف تین سال کی ملازمت میں اس نے ادنے ملازم سے لیکر رئیس تک کے دل میں گھر پیدا کر لیا تھا اور اب نواب قربان حسین خان کے گھر کا کل اختیار حاصل تھا، نواب نے کل کارخانہ اس پر چھوڑ دیا تھا جتنے احکام صادر ہوے ان پر حامد حسین کی دستخط ہوے جتنے انتظامات ہوے وہ محض اسی کی تجویز سے ہوئے اس لیے کیشو سنگھ بغیر تحقیق و تدقیق کے کوئی کارروائی کرنے سے مجبور تھا۔ تاہم وہ اپنے شکوک کی تصدیق یا تکذیب کا ارادہ کیے تھا پہلے تو اس نے دہاتیوں سے حامد حسین کے متعلق صدہا سوالات کیے اور جب تھوڑا بہت حال معلوم ہو گیا تو سید ھا کانپور آیا اور در پردہ اس کے واقعات و حالات دریافت کرنے اور اس کے کاموں کی ٹوہ لینے میں مشغول ہو گیا۔"

پانچواں باب

الْقِیّہ بیداد

کیشو سنگھ نے، حامد حسین کی ما فوق الفطرت قوت کا تو معائنہ کر لیا، لیکن بازو کا زخم نہ دیکھ سکا اسی لحاظ سے اس نے کانپور میں رہنا اختیار کر لیا اور حامد حسین کے ماتحتوں سے ساز باز کر کے حالات دریافت کرنا شروع کیے۔

حامد حسین جس عنوان سے نواب قربان حسین خان کی سرکار میں ملازم ہوا تھا وہ اس قدر مخفی تھا کہ اور تو اور خود نواب قربان حسین خان بھی حامد حسین کے حالات سے ناواقف محض تھا! البتہ اس میں دیانتداری اور مستعدی۔ نمک حلالی اور وفاکوشی کے اوصاف کچھ ایسے سریع التاثیر تھے جن کی بدولت نواب کی عنایات و کرم کی روزافزون تھا۔ سرکار خوش، عملہ راضی۔ کوئی فرد ایسا نہ تھا جس کے دل پر حامد حسین

میلیون نے اثر نہ ڈالا ہو ابرایں سبب کیشورام اپنے مقصد مین کامیاب نہ ہو سکا۔ ناکامیون نے اس کا دل تھوڑا نہ ہونے دیا۔ حسد کی آگ کچھ اور بھڑک اٹھی اور اس نے کوشش کرکے اپنا تبادلہ کانپور کرا لیا۔ اس نے اپنے افسرون کو اس امر کا یقین دلانے مین تمام کوششین صرف کردین کہ اگر وہ کانپور بھیج دیا جائے تو تھوڑے روز کے قیام مین ایسے مجرم کو تلاش کرکے گرفتار کرا دے کا جسکی اسیری بادشاہ کی خوشنودی کا باعث ہو گا۔ خلعت و خطابات کے ساتھ ہی بخشش و انعامات خسروانہ سے مالامال ہو جائین گے۔

اس کی خواہشات مقبول ہوئین۔ افسرون نے چھ ماہ کے واسطے کانپور مین رہنے کی اجازت دیدی اور کیشورام جورو بچون کو ساتھ لے کر کانپور مین قیام پذیر ہو گیا۔

عابد حسین نے بقیہ زندگی نیکی اور خلق اللہ کی بھلائی مین صرف کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اور کئی سال یہی طرز عمل تھا وہ حتہ المقدور کسی پر سختی نہ کرتا اسامیون سے بہ نرمی لگان وصول کرتا اکثر غربا جو لگان ادا کرنے کے قابل نہ ہوتے ان کی طرف خود روپیہ خزانہ مین داخل کرکے انھین رسید سونپ دیتا تاہم حکومت بغیر سیاست کے قائم نہین ہو سکتی کبھی کبھی بعض شورہ پشتون پر ضرورتاً جبر و تشدد کرنا پڑتا جس کے واسطے وہ بعد کو کڑھتا اور اکثر راتون کو اپنے مجبورانہ رویہ پر منفعل ہو کر توبہ استغفار کیا کرتا۔

اس کی تحصیل مین ایک ضعیف العمر دہقان رہتا تھا جس نے شباب کے ایام شاہان دہلی کی فوج مین گذارے تھے اور راجپوتانہ کے اکثر معرکون مین شریک ہو کر حق نمک ادا کیا تھا۔ کہتے ہین صدیون سے اس کا خاندان اس جگہ آباد تھا۔ لیکن بہت کم ایسے لوگ تھے جو اسی کے خاندانی حالات سے واقف ہون وجہ یہ تھی کہ جو مقام اس کے اسلاف نے اپنی سکونت کے واسطے تجویز کیا تھا وہان انسان کی جانورون کی بستی تھی جنھین دو وقت پیٹ کی دوزخ پاٹنے اور گاڑھا دھوتر سے ستر پوشی کر لینے کے سوا طرز تمدن سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا۔ البتہ اگر کبھی کوئی انسان بستی مین پہنچ جاتا اور اس کے خاندان سے ملنے کا اتفاق ہوتا

تو وہ ان دیہاتیون کی پیشانیون پر طغرۂ شرافت دیکھتا۔ اُن کی گفتگو مین سلیس اخلاق
وسیع اور خیالات بلند پاتا ہر وہ شخص جو آئین شرافت اور قوانین اخلاق سے
بہرہ ور ہوتا اس خاندان کے ممبرون سے مل کر بغیر متحیر ہوئے نہ رہ سکتا کیونکہ
ایسی جگہ جہان تہذیب کی پیداوار مفقود وحشیانہ پن کی جنس ارزان ہو ایسے
اشخاص کا ہونا تعجب خیز تھا!

بہت کم وہ لوگ تھے جنھون نے اس دیہاتی خاندان کے متعلق معلومات بہم
پہنچائی تھی واقعہ یہ ہے کہ سبزوار سے ایک شریف و فلاکت نصیب خاندان
تارک وطن ہوکر ہندوستان آیا وہ زمانہ ہندوستانی بادشاہون کی جوہر
شناسی اور قدردانی کا تھا شرفا سفر دور دراز اختیار کرکے ہندوستان آتے
اور سرکار شاہی مین اعلےٰ قدر مراتب عہدے اور منصب پر فائز ہوتے چنانچہ
اس دہقانی خاندان کے مورث اعلےٰ کو منصب سہ ہزاری پر سربلند کیے گئے

چونکہ وطن سے بدقسمتی ہمراہ آئی تھی اس لیے زیادہ عرصہ تک دربار مین عزت
قائم نہ رہ سکی ایک موقع پر دشمنون کا وار چل گیا۔ اگرچہ بادشاہ نے جھلا کے
کام لے کر جانین بخش دین لیکن درباردارون سے بے نیاز کر دیے گئے عزت
کی کرسی پر بیٹھ کر بے عزتی کے گڑھے مین گرنا گوارا نہین ہوتا۔ یہ خاندان جاگیراد
اور املاک سے دست بردار ہوکر تھوڑے عرصے پر دہلی سے بھاگ نکلا اور اس قصبے
مین آکر عرصہ دراز تک مقیم ہو گیا اس کے بعد اگرچہ منصب و ثروت حاصل
نہ کر سکا، مگر عزت خاندانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا فلاکت و مصیبت کی زندگی
بسر کرتا رہا چنانچہ اب اس خاندان کی آخری یادگار مذکور مین صرف ایک ہی ضعیف العمر
شخص باقی تھا۔ کئی سال ہوئے اس کا جوان بیٹا یکایک مر گیا بعضون کا خیال ہے
زہر کھا کر جان دی! بہر نوع بیٹے کی وفات کے بعد سے بوڑھا از حد غمگین
رہتا اسے کھیتی باڑی کا بھی ہوش نہ تھا۔ اپنے کھیت زبانی معاہدے پر وہین رہنے
والے کسانون کو سونپ دیے تھے فصل کے آخر مین وہ لوگ جو کچھ دے دیتے
اسی سے بسر اوقات کرتا تین سال ہوئے کہ لگان واجب الادا بھی ادا نہ کر سکا
ہمیشہ دوسری فصل مین ادا کر دینے کا وعدہ کرتا چونکہ اس کے ٹھیکے دار نے

بے ایمانی پر کمر باندھی تھی اور کم مقدار غلے کے سوا کچھ نہ دیتا جو غریب لگان ادا کر سکتا اس وجہ سے سرکاری قرضہ بڑھتا جاتا!"

حامد حسین نے ہر مرتبہ اُسے مہلت دی اور غریب سمجھ کر اس کی طرف سے خود لگان ادا کرتا رہا، مگر دشمنوں نے بوڑھے دہقان کی جانب سے لگائی بجھائی شروع کر دی اور کچھ ایسے الفاظ میں بدی کی کہ حامد حسین کو صدمہ ہو گیا! اس نے وصول لگان کے بارے میں کوئی حکم تو نہیں دیا لیکن اتنا ضرور کہا "اس مرتبہ مطلق رعایت نہ کروں گا"، دشمنوں کو اتنی شہ کافی تھی۔ انھوں نے بوڑھے پر سختی شروع کر دی اس کے پاس روپیہ کہاں تھا جو دے سکتا نتیجہ یہ ہوا کہ غریب کو دہائی مہاجن کی چوکھٹ ناکھنا پڑی"

مہاجن انتہا کا خسیس اور خبیث النفس تھا۔ یوں تو اس دہقان سے قصبے کے سب رہنے والے یکساں بغض رکھتے تھے کیونکہ وہ ان سب پر فخر کرنے کا عادی تھا اس کے غرور نسبی نے ہر شخص کو اس کا دشمن بنا دیا تھا اتفاق سے ایک مرتبہ مہاجن نے اپنے بیٹے کی شادی میں نائی بھیج کر کسان کو مدعو کیا لیکن اس نے صاف لفظوں میں کہلوا دیا کہ میں محض نائی کے آنے سے شریک نہیں ہو سکتا اگر خود مہاجن حاضر ہو کر مجھ سے شریک ہونے کی التجا کرے تو شاید چند لمحوں کے واسطے اعزاز بخشوں! یہ الفاظ مہاجن کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئے اس روز سے وہ اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کی فکر میں رہنے لگا درپردہ جاہل کسانوں سے مل مل کر اس کی مخالفت پر ابھارنا شروع کیا۔ اُسے بدنام کرنے کو انواع واقسام کی افواہیں مشہور کرائیں۔ مالی نقصان اور جسمانی آزار پہنچائے۔ تاہم بوڑھے کسان نے صبر وتحمل سے مظالم برداشت کیے اور خوش وناخوش زندگی کے دن بسر کرتا رہا"

مہاجن مغرور بوڑھے کو اپنے سامنے حاجت مندوں کی طرح کھڑے دیکھ کر مسکرایا۔ ضرورت! آہ ضرورت بری چیز ہے۔ یہ مجبور کر کے ایسے افعال کرا چھوڑتی ہے، جو کبھی غیر ممکن خیال کیے جاتے تھے۔"

دل کی ضرورتوں نے مجبور کر دیا ہے
ہم اپنے دشمنوں سے طالب ہیں دوستی کے

مہاجن نے طنزیہ ہنسی ہنسکر "کیون دہقان صاحب! آج کیون قدم رنجہ فرمایا"

غریب و مصیبت زدہ دہقان کیا جواب دیتا؟ اس کا دل تڑپ گیا آنکھوں مین آنسو ڈبڈبا آئے اور کلیجہ تھام کر بولا"

"خدا نے تمھین اس قابل کیا ہے کہ روپیہ کے حاجت مند تمھارے دروازے پر آئین اور تم ان کی مدد کر سکو؟

مہاجن کو پہلے ہی سے واقعات معلوم تھے خود اسی کی کوششون سے غریب دہقان مجبور کیا گیا تھا لیکن اس نے جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ بے چارے کے دل کو اذیت پہونچائی اور جب تک اس نے صاف لفظون مین قرضہ لینے کی خواہش ظاہر نہ کر لی چین نہ لیا"

بوڑھے کسان کا نام نوراللہ تھا نہ معلوم زمانہ کیون اس کے خلاف کمربستہ ہو رہا تھا؟ حالانکہ اس نے حتی الوسع کبھی کسی کو تکلیف پہونچانے یا آزار دینے کا خیال بھی نہ کیا تھا! کئی صدیاں ہوئین کہ ہندوستان مین اسکے اسلاف شدائد برداشت کر کر کے راہی ملک بقا ہوے، اور بوجہ ناداری ان کے اخلاف قبرون کو محفوظ رکھنے مین کامیاب نہ ہو سکے انجام کار اب عرق دان کے نشان بھی ان کی طرح ناپید ہوگئے اور بجز نام لے کر سورۂ فاتحہ کا ثواب بخش دینے کے کوئی چارہ نہین رہا"

نوراللہ کو جہان اپنی بے کسی و تنہائی کی زندگی کا قلق ہوتا وہان اس خیال سے شاد بھی تھا کہ اب میرے بعد مصیبتون کا خاتمہ ہے۔ ساتھ ہی ملا پر ایک نشتر پڑتا اور کسی ایسے خیال سے جسکے دل مین آنے کا بھی روادار نہ تھا ازخود رفتہ و بے چین ہو جاتا!"

الغرض نوراللہ نے دل پر جبر کر کے مہاجن کے روبرو عاجزانہ کلام کیے اپنی دردناک داستان بیان کر کے مائل کرم کرنا چاہا، اس کی حالت پر پتھر

ہوتا تو پگھل کر موم ہو جاتا، لیکن مہاجن کے سخت دل پر مطلق اثر نہ ہوا! وہ خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ جب نور اللہ خاموش ہو گیا تو کہا:۔

مہاجن:۔ جو آدمی قرض لینے آتا ہے وہ تمھاری طرح مصیبتوں کی طویل داستان تصنیف کر کے سنا دیتا ہے۔ نہیں معلوم اب سے پہلے کتنی مرتبہ ایسے قصے سن چکا ہوں، میرے واسطے یہ باتیں نئی نہیں ہو سکتیں روپیہ اوڑا نے میں نہ تو دقت ہوتی ہے، نہ وقت لگتا ہے، البتہ پیدا کر کے جمع کرنے میں جیسی جیسی مشکلات لاحق ہوتی ہیں انھیں ہمیں لوگوں کا دل جانتا ہے۔ چونکہ مجھے ہمیشہ جمع کرنیکا شوق رہا، اس واسطے اوڑا دینے کو دل گوارا نہیں کرتا میرے پاس جو حاجت مند آتا ہے وہ اپنی جائداد مکفول کر کے روپیہ حاصل کرتا ہے کیا تمھارے پاس بھی کوئی جائداد ہے؟

نور اللہ۔ میری ساری املاک و جائداد یہی چند بیگھے زمین ہے جس پر کسانوں نے قبضہ کر لیا ہے اور مجھے میرا پورا حق نہیں دیتے۔

مہاجن۔ وہ زمین تمھاری نہیں، جس کی زمین تھی اس کے قبضے میں ہے۔

نور اللہ کو اس کلمے نے روحانی اذیت پہونچائی جب وقت پڑتا ہے تو کس و ناکس کی باتیں سننا پڑتی ہیں وہ بھی بھی سوچ کر شربت کے گھونٹ کی طرح پی گیا۔

نور اللہ:۔ تم جانتے ہو، میرا خاندان سالہاے دراز سے مصیبتوں اور افلاس کا شکار ہو رہا ہے میرے پاس کھانے کو کوڑی نہیں ہے محنت مزدوری کے قابل نہ ہونے پر بھی بند نہیں ٹوکری تک ڈھوتا ہوں۔ میری زندگی کا سہارا یہی چند کھیت ہیں۔ اگر یہ بھی ہاتھ سے نکل جائیں گے تو میرے پاس کھانے کو کچھ نہ رہے گا مجھے لگان ادا کرنا ہے۔ اگر تم خدا ترسی کر کے لگان ادا کرنے بھر کا روپیہ قرض دیدو تو بڑی مہربانی ہو گی شریفوں پر احسان کرنا ثواب ہے خدا اجر نیک دے گا، میرے پاس اگر کوئی جائداد نہیں تو بھی تمھاری خدمت کر کے قرضہ ادا کر دوں گا۔

مہاجن:۔ یہ صورتیں تو نا قابل معاملت ہیں! ہاں ایک صورت ہے اگر تم منظور

کرو تو مین خاطر خواہ قرضہ دینے کو تیار ہون "

نور اللہ۔ "وہ کیا تدبیر ہے؟"

مہاجن۔ "شرفا کو ڈاڑھی مونچھین عزیز ہوا کرتی ہین اگر تم انھین منڈوا کر میرے پاس رہن کر دو تو بے شک جس قدر روپیہ کی ضرورت ہے دینے کو تیار ہون۔ اس صورت کے سوا کوئی تدبیر ایسی نہین جو مجھین روپیہ دینے پر راضی کر سکے!"

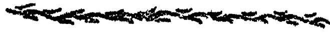
نور اللہ نے بڑی غمگینی کے ساتھ آسمان کی طرف نگاہ کی چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا، گویا زردی، سرخی سے بدل گئی آہ حاجت! حاجت تو کیسی ناگریز شئے ہے اگر تیرا ہاتھ درمیان مین نہ ہوتا تو نور اللہ اس تلخ کلامی کا جواب تلوار سے دیتا اس کے رعشہ دار ہاتھوں مین جذبۂ انتقام جوانی کی قوت پیدا کر دیتا اور وہ اپنی توہین کرنے والے کو اس کے خون مین لٹا کر کلیجہ ٹھنڈا کرتا! نور اللہ نے حتی المقدور مہاجن کو اس شرط سے ہٹانا چاہا لیکن اس نے زبان سے جو کہہ دیا تھا، پتھر کی لکیر ہو گیا! نتیجہ یہ ہوا کہ نور اللہ کو بے نیل مرام مہاجن کے در سے مایوس لوٹنا پڑا

ادہر اس کا جانا اور ادہر نوابی پیادون کا اداے مطالبہ کے لیے سختی کرنا تھا۔ نور اللہ نے دو روز اور اسی کشمکش مین بسر کیے اس درمیان مین کئی مرتبہ مہاجن کے سامنے جا کر عاجزی کی۔ نتیجہ کچھ نہ ہوا شدت تاثر سے غریب کا سینہ پھٹنے لگا دماغی کیفیت ابتر ہو گئی۔ مصیبتین روز افزون تھین، تقدیر برگشتہ! جس کے اثر نے نیا گل یہ کھلایا کہ حامد حسین کو ایک ضرورت سے چار پانچ یوم کے واسطے لکھنؤ جانا پڑا! اس کی عدم موجودگی مین غریب آزار دن کی بن آئی روپیہ وصول کرنے کے واسطے تشدد ہونے لگا"

چارون طرف کی مصیبت سے تنگ ہو کر نور اللہ کو مہاجن کی شرمناک شرط منظور کرنا پڑی! اس نے فوراً استرا نکال کر نور اللہ کی سفید ڈاڑھی مونچھون کا صفایا کر دیا، اور جس قدر روپیہ کی ضرورت تھی بکس سے نکال کر دیدیا"

نور اللہ نے پیادون کو روپیہ تو سونپ دیا، لیکن ڈاڑھی مونچھین کھو کر دل کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس کا تحمل غریب کی قوت سے ممکن نہ ہوا، دماغ بگڑا اور اسطرح

بگڑا کہ بے چارہ نور اللہ مجنون ہو گیا۔ اب کھیتوں کی مینڈیں تھیں اور وہ تھا گنوار چھوکروں کے ڈھیلے تھے اور اس کا کمزور و لاغر جسم! وہ کبھی روتا تھا اور کبھی ٹھٹھے مارتا تھا، گاہ گاتا تھا، گاہ ناچتا تھا۔ عموں نے شئے لطیف کو اس کے دماغ سے خارج کر دیا تھا! حساد اس کے افسوسناک احوال پر مضحکہ کرتے تھے! جن کے قلوب میں خدا نے رحم و کرم ودیعت کیا تھا، وہ دل ہی دل میں متاسف تھے۔



چھٹا باب

ایک لڑکی کا راز

نور اللہ کی ڈاڑھی مونچھوں کا صفایا ہوئے ایک اٹھوارا گذر گیا۔ اس مدت میں نظام عالم کے اصول پر صبح کا درخشاں آفتاب طالع ہو ہو کر غروب ہوا کیا ٹھنڈ[illegible] اور [illegible] دنیاداروں کے [illegible] قلوب [illegible] پہونچا پہونچا کر غائب ہوگئیں۔ زمانہ کا کاروبار بدستور جاری رہا مگر نور اللہ کی ذات تھی جو روز بروز غم و آلام کی فراوانی سے مضمحل ہو رہی تھی۔ دشمنوں کی مضحکہ بازیاں دماغی حالت کو اور بھی ابتر کرتی تھیں اور اس کا جنون سنگدل قصبائیوں کی دلچسپی اور مسرت کا موجب ہو رہا تھا۔

پانچویں روز حامد حسین لکھنؤ سے کانپور پہونچ گیا تھا۔ اس کے سامنے کسی نے اس سختی و بے رحمی کا تذکرہ تک نہ کیا۔ اس کی عدم موجودگی میں جو نصیب نور اللہ کے ساتھ کی گئی!

نور اللہ کو ایک روز جنون میں انتقام کی خواہش پیدا ہوئی۔ سوئے اتفاق سے اس نے اپنی بے عزتی اور توہین کا اصلی سبب حامد حسین کو خیال کر لیا اگر وہ ہمیشہ کی طرح رحم سے کام لیتا تو شریر النفس مہاجن کبھی ایسی گستاخی نہ کر سکتا! اس خیال نے نور اللہ کے شریف خون میں ہیجان پیدا کر دیا جذبہ انتقام کے امواج سمندر میں

لاطم پڑگیا اور وہ دیہات سے نکل کر چھوکروں کے پتھر کھاتا اور گنواروں کے طعنے سنتا ہوا کانپور روانہ ہو گیا۔

کانپور چند میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور نواب قربان حسین خان کا عالی شان محل ہے خلائق شہر کی کوئی فرد ایسی نہ تھی جو اس نواب کے نام سے واقف اور محل سے آگاہ نہ ہو۔ نور اللہ انتقام کی دھن میں بھاگوں بھاگ کرتا ہوا کانپور پہونچ گیا۔ اب سے پہلے بھی چند بار کوٹھی پر آکر حامد حسین کی حضوری کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ اُسے وہاں تک پہونچنے میں کسی سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی کوٹھی کے پھاٹک پر چوکی پہرا موجود تھا، لیکن حامد حسین نے اسامیوں کے آنے کی عام اجازت دے رکھی تھی چوکیداروں کو تاکید تھی کہ کسی کو نہ روکو جو میرے پاس آنا چاہے بلا روک ٹوک آنے دو۔ چوکیداروں نے نور اللہ سے تعرض نہ کیا۔ وہ سیدھا حامد حسین کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں بیٹھ کر وہ املاک و جاگیر کا حساب کتاب کرتا تھا۔

نور اللہ کا لباس پارہ پارہ تھا۔ جسم پر جا بجا ڈھیلوں کے زخم تھے میلوں پاپیادہ زمین چلنے سے گھٹنوں کے اوپر تک پاؤں گرد آلود ہو رہے تھے اور موئے سر بے ترتیبی سے پریشان ہو کر اس کے دیوانہ پن کو ظاہر کرتے تھے گدائی دیکھ کر کسی نے کچھ کہنے کی جرأت نہ کی، کیونکہ سب جانتے تھے حامد حسین غربا کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا ہے۔

اتفاق سے اس وقت حامد حسین موجود نہ تھا کسی دوست سے ملنے گیا تھا۔ نور اللہ کو وہاں ٹھہر کر ایک گھنٹے تک حامد حسین کا انتظار کرنا پڑا۔ ایک گھنٹے بعد حامد حسین دفتر میں آیا ابھی اپنی جگہ پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ دیوانے نور اللہ نے لپک کر اس کی ڈاڑھی مونچھیں پکڑ لیں۔

کوئی شک نہیں اگر اس جگہ حامد حسین کے بدلے کوئی دوسرا ہوتا تو نور اللہ کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دی جاتیں مگر اس نے صبر سے کام لیا اور آہستہ سے نور اللہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اس کے ملازمین نے مالک کی بے حرمتی دیکھ کر نور اللہ کو زد و کوب کرنا چاہا لیکن حامد حسین نے ان سب کو خاموش رہنے کا حکم دے کر

نوراللہ سے دریافت کیا"

"تم کس جرم پر میری ناموسی کر رہے ہو"

نوراللہ۔ کیا تم میری صورت دیکھ کر شناخت نہیں سکتے؟"

ڈاڑھی موچھیں منڈ جانے سے نوراللہ کی صورت بدل گئی تھی جو لوگ پہلے دیکھ چکے تھے ان کے لیے بھی نوراللہ کا پہچاننا امر محال بن گیا تھا اس وجہ سے اب تک کسی نے بھی اسے شناخت نہ کیا تھا"

حامد حسین۔ کسی کے ماتھے کی عبارت کاتب تقدیر کے سوا کوئی نہیں پڑھ سکتا"

نوراللہ۔ "کیا تم نے مجھ سے شدید مطالبہ کر کے مجھے قرض لینے پر مجبور نہیں کیا تم نے میرا گھر بار چھین لینے کے لیے اپنے پیادے نہیں روانہ کیے؟ آہ میں غریب تھا اتنی مقدرت نہ تھی جو فوراً واجب الادا روپیہ پیادوں کے حوالے کر کے عزت بچا سکتا مجبوراً مہاجن سے رجوع کرنا پڑا، افسوس میرے پاس کوئی جائداد نہ تھی جسے مکفول کر کے روپیہ حاصل کر سکتا مجبوراً ڈاڑھی موچھیں رہن کرنا پڑیں! کیا اس ہتک کے بعد کوئی شریف زندہ رہنا گوارا کر سکتا ہے مجھے اسی غم نے مجنون کر دیا بازاروں میں لڑکے میرے پیچھے تالیاں دیتے اور کنکر مارتے ہیں۔ چھوٹے بڑے مجھے دیکھ کر زہر قند کرتے ہیں اور مجھے چاروناچار گوارا کرنا پڑتا ہے! کیا میں نے خدا کو گواہ کر کے اپنی مفلسی و ناداری کی داستان نہیں بیان کی تھی۔ کیا اب تک تم میرے حال سے خبردار نہیں؟"

حامد حسین کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی! اس کے نام سے کتنا بڑا ظلم منسوب کر دیا گیا؟ حالانکہ وہ کبھی ایسے شدائد پر راضی نہیں ہو سکتا تھا درآں حالیکہ اس نے کسی کو سختی کا حکم بھی نہیں دیا اور غریب آزاری کے الزام میں سن گیا! اس نے تالیف قلوب کرتے ہوئے بہت سے الفاظ استعمال کر کے نوراللہ کو اپنے پاس بٹھالیا"

حامد حسین۔ مجھے بڑا قلق ہے کہ غلط فہمی سے آپ کی یہ حالت ہوئی! آپ میری غفلت کو معاف کر دیں ہرگز ہرگز میرا یہ منشا نہ تھا کہ آپ یوں مظالم کی بھینٹ چڑھا دیے جائیں ہونے والی بات ہو چکی، اب اس کا کوئی علاج نہیں البتہ

مین ہر ممکن طریقے سے تلافی کرنے کی کوشش کرون گا بشرطیکہ آپ میرے چند
سوالات کا جواب عنایت فرمائین "

نوراللہ: فرمایئے کیا دریافت کرنا ہے "

حامد حسین: آپ کا اکیلا دم ہے اور کافی مقدار مین زمین لگان پر لے رکھی ہے
اس کی آمدنی سے آپ چاہین تو بعافیت زندگی بسر کرسکتے ہین۔ کیا وجہ ہے جو آپ
ان حالون کو پہونچے "

نوراللہ۔ ٹھنڈی سانس لے کر" یہ قصہ طویل ہے۔ مختصراً اتنا گزارش کرنا کفایت
کرے گا کہ مین نے ضعف پیری سے تنگ آکر دوسرون کو زمین ٹھیکے پر دیدی ہے"
وہ لوگ مجکو معاہدے کے مطابق نہین دیتے۔ زمانے کی ہوائین میرے خلاف ہین
میری فریادین آپ ایسے مقتدر حضرات کے گوشگزار نہین ہوسکتین۔ میرے ہمسایون
نے دشمنی کی ٹھان لی ہے۔ قصبے بھر مین کوئی دوست نہین، اور "

نوراللہ کہتے کہتے خاموش ہوگیا اس کے چہرے سے شرمندگی کے آثار
ٹپکنے لگے آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے جنھین بدقت روکا۔

حامد حسین: کیون، کیون! آپ خاموش کیون ہوگئے۔

نوراللہ: اس سے زیادہ داستان غم عرض کرنے کی طاقت مجھ مین نہین آپ سے پہلے
جس قدر حاکم یہان آئے مین نے خود فاقہ کیے مگر ان کو لگان ادا کر دیا ٹھیکے دارون
کی بدعنوانیون کی شکایت آج سے پہلے کبھی میری زبان پر نہین آئی لیکن "

حامد حسین: کچھ سمجھ کر" معلوم ہوتا ہے، اس کے آگے کوئی راز ہے جسے آپ سب کے
سامنے بیان کرنا پسند نہین کرتے مین تخلیہ مین آپ کی باتین سننے کو تیار ہون
مجھے آپ کی حالت سے دلی ہمدردی ہے یاد رکھیے، جس طرح موتیون کی قدر
جوہری کے سوا کوئی نہین کرسکتا اسی صورت سے شریفون کی آبرو شریف ہی
جان سکتا ہے۔ مین بھی آپ کی طرح مصیبت زدہ ہون مجھے بھی آپ کے مانند فلک
کی گردشون کا شکوہ ہے، میرے قلب پر بھی بہت سی چوٹین پڑ چکی ہین۔ اس لیے
کہہ سکتا ہون اگر آپ اپنا مخلص سمجھ کر اپنا حال بیان کیجئے گا تو انشاء اللہ آپ کی امداد
مین کوتاہی نہ کرون گا۔

نور اللہ نے سارا بچپن اور جوانی گذار دی لیکن ایسے دل فریب الفاظ کانون مین نہ گونجے ضعیفی آئی اور آدھے سے زیادہ گذر گئی مگر کسی کی باتون مین ایسی حلاوت نہ پائی اب جو ایک ہمدرد پایا تو شدت تاثر سے بے ہوش ہو کر گر پڑا دل کی حرکت خفیف اور نبض کی رفتار مین سستی محسوس ہونے لگی حامد حسین اُس کی سقیم حالت سے نہایت افسردہ ہوا فوراً پیادے کو دوڑا کر حکیم طلب کیا اور ایک خالی مکان مین دو آدمیون کے ساتھ بوڑھے نور اللہ کو رکھ کر حکیم صاحب کو علاج کی تاکید کر دی

نور اللہ کو غم کے سوا کوئی بیماری نہ تھی ضعیف قلب پر اچانک غمون کا پہاڑ پھٹ پڑا تھا۔ اطبا نے اپنی تجویز مین یہی آزار تشخیص کیا اور مسکن دوائین استعمال کرانا شروع کین۔ لیکن مرض مین تخفیف کے عوض ترقی ہوتی رہی ہر صبح شام سے زیادہ تشویش ناک اور ہر شام صبح سے بڑھ کر پریشان کن ثابت ہوتی تھی۔ چارہ سازون کی تدبیرین غیر مفید اور طبیبون کی کوششین ناکارہ تھین مارالحیات ایک ایک منٹ پر کم ہو رہا تھا۔

حالت بگڑتے دیکھ کر حامد حسین نے خواہش ظاہر کی کہ وہ کم از کم اپنی سعی بلیغ کی انتہا کرین کہ مرنے والا موت واقع ہونے سے قبل اپنے دل کے ارمان بیان کر جائے تاکہ وہ انھین پورا کر کے اپنی اس غلطی کی رجو نور اللہ کے متعلق اتفاقیہ واقع ہو گئی) تلافی کر سکے۔

طبیبون کی تمامتر کوششین محض بیمار کے ہوش مین لانے کو صرف ہونے لگین ایک روز جب کہ آفتاب سر ابر دۂ مغرب کی طرف بڑھ چکا تھا حکیمون کی کوششین بارور ہوئین مریض نے بستر مرگ پر پڑے پڑے آنکھین کھول دین وہ آنکھین جن کی تمنا کی اپنی آڑ مین منتہائے نقاہت کو چھپائے ہوئے تھین۔ ان کی بے رونقی اور جو نق پن ایک ایسے حادثہ کا پیش خیمہ تھا جس کے خیال سے روح لرز جایا کرتی ہے اور بہت کم ایسے لوگ ہون گے جو صدق دل سے اس کا خیال کرتے ہون گے بیمار کے چہرے پر خون کی چھینٹ نہ تھی عموماً کمزورون کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو جاتا ہے۔ نور اللہ کا چہرہ بھی پیلا تھا مگر پیلے پن مین مٹی کے رنگ کی آمیزش بھی معلوم ہوتی تھی دوا کا اثر خیال کیا جائے یا مشیت الٰہی لیکن اسوقت

آثار جنون مفقود تھے، چارہ گر دن نے مزاج کی کیفیت دریافت کی، جس کے جواب مین نور اللہ نے نقیہ آواز مین رک رک کر اپنا درد بیان کیا جس کا مفہوم اس شعر مین ادا ہو سکتا ہے ؎

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جان ناتوان کی
رگ رگ مین نیش غم ہے کہئے کہان کہان کی

معالج نے قریب آکر نبض پر ہاتھ رکھا، افسوس! اس کی امیدون کے خلاف نبض کبھی اور کبھی ڈوب چلی تھی قلب کی حرکت اس قدر خفیف تھی کہ ہر مرتبہ بند ہو جانیکا احتمال ہوتا تھا۔ المختصر موت واقع ہونے مین بہت کم وقفہ تھا۔ اس نے فوراً ایک رقعہ کے ذریعہ سے حامد حسین کو اطلاع دی۔

اگرچہ اس وقت حامد حسین بعض کامون مین منہمک تھا، لیکن نور اللہ کی ملاقات کو سب پر مقدم سمجھا اور ماتحتون کو ضروری ہدائین دے کر سیدھا مریض کے حسرت کدے مین پہنچا۔ طبیب سرنگون تھا اور چارہ ساز ہاتھ پر ہاتھ رکھے مریض کی پیٹی کے پاس خاموش بیٹھے تھے۔ مریض کی آنکھین چھت لگی تھین اور ہر ہر نفس پر چہرے سے رنگ حیات پرواز کر رہا تھا!

حامد حسین نے مریض کا نام لے کر آواز دی۔ ہنوز ہوشیاری باقی تھی اس نے چھت سے نظر ہٹا کر اپنے مہربان محسن کے چہرے کی طرف پر حسرت انداز سے دیکھا اور آنکھون مین آنسو چھلک آئے۔ فی الواقع یہ وقت ہی ایسا ہے کہ جری سے جری، بہادر سے بہادر شخص بھی استقلال کے دائرے سے نکل کر بیقرار ہو پڑتا ہے جاتی ہوئی دنیا کی، بہارین جو یکے بعد دیگرے گذر چکی ہین اور جن کے گہوارہ مین مرنے والے نے خوش حال زندگی کے پینگ لیے ہین بھولے ہوے خواب کی طرح اپنی یاد دلا کر قلب کو کھینچتی اور نئے عالم مین جانے کی دہشت اس کے قدمون کو عدم سے ہٹا کر وجود کی جانب بڑھاتی ہے لیکن مجبوری ہے۔ انسان اپنی مرضی کے موافق نہ تو مرنے پر قادر ہے نہ زندہ رہنے پر بقول ذوق ؎

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

حامد حسین نہایت قوی دل تھا لیکن اس موقعہ پر اس کی شجاعت قائم نہ رہ سکی جی بھر آیا اور اس نے مجبوراً اپنی کمزوری چھپانے کے لیے مریض کے مردنی چھانے والے چہرے سے نظرین ہٹا لین۔ تاثرات تو چاہتے تھے تا دیر حالت غم باقی رہے، وقت اس کا مقتضی نہ تھا۔ اس نے آہستہ سے حکیم صاحب اور چارہ سازون کو وہان سے چلے جانے کو کہا فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی کمرے مین تخلیہ ہو گیا۔ بجز مریض اور حامد حسین کے کوئی باقی نہ رہا۔

حامد حسین اپنے ہاتھ مین مریض کا ہاتھ لے کر نور اللہ! مجھے تمھاری ناوقت علالت کا نہایت قلق ہے چاہتا ہون تم بہت جلد تندرست ہو جاؤ طبیب اپنی کر رہے ہین چارہ ساز تیمارداری مین کمی نہین کرتے، خدا کی مصلحتون سے ہر شخص ناچار ہے جب تک ادھر کی مہر نہین ہوتی آزار پنڈ نہین چھوڑتا تمھارے ہوشیار ہونے سے حکیم صاحب کو امید ہوتی ہے کہ دوا اپنا فعل کرنے لگی اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد روگ زایل ہو جائے گا اور تم پھر چنگے ہو جاؤ گے۔ مین اس حالت مین تم کو تکلیف نہ دیتا، لیکن نہ معلوم کیون میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے وہ راز دریافت کر لون جسے اس روز تم ظاہر کرتے کرتے کسی خیال سے خاموش ہو گئے میری غفلت سے تم پر کمبختون نے جو بدعتین کین انھین بھول جاؤ مجھے اپنا سچا دوست اور محب خیال کرو اگر تمھاری ... خدمت میرے ہاتھون سے انجام پا گئی تو مین اپنی خوش نصیبی خیال کرون گا تم شریف ہو جس طرح خاک ... میرا ... دامن نہین چھوڑتا اسی طرح غریب و افلاس کی زندگی بسر کرنے پر بھی تمھاری روشن جبین نے نور شرافت ضایع نہین کیا۔ شریف مستحقین کی امداد کرنا ہر انسان کا فرض عین ہے تم کو شرم نہ کرنا چاہیے مین احسان کے خیال سے نہین بلکہ اپنا فرض سمجھ کر دریافت کرتا ہون تمھارے اس روز کے تیورون سے مین نے پہچان لیا تھا کہ تم جو کچھ کہو گے وہ راز ہو گا۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو بھی تم کو پس و پیش نہ کرنا چاہیے شرفا راز فاش نہین کرتے مین بھی شریف ہون میری رگون مین بھی وہی خون دوڑ رہا ہے جس سے تمھارے اسلاف ایران سے چل کر ہندوستان وارد ہوئے یہ اور بات ہے کہ اتفاق نے تمھین مراتب اعلی پر فائز نہ کیا اور مین مدارج عزت طے کرتا

ہوا بام امارت پر پہونچ گیا۔

نور اللہ نے ٹھنڈی سانس لے کر، صحت! صحت!! صحت قبر ہی میں ہو گی، میں نے
دھوپ میں بال سفید نہیں کیے، اپنی حالت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ وقت کم
ہے فضول گفتگو میں ضایع کرنا مناسب نہیں، اس لیے تمہید کو چھوڑ کر اصل مطلب
کی طرف آتا ہوں، آپ شریف ہیں ذی ثروت ہیں، اور ان سب پر طرہ یہ کہ میرے
محسن ہیں آپ کا دل رحم و کرم سے لبریز ہے شرفا پروری آپ کی عادت! ان خوبیوں کو
دیکھتے ہوئے امید کی جاتی ہے کہ آپ میرے راز کے امین ہوں گے اور اگر ظاہر
کریں گے تو ضرورتاً اور مجبوری سے میرا خاندان شہر بخارا میں آباد تھا۔ سنتا ہوں میرے
بزرگ نہایت ذی ثروت معزز اور صاحب اقتدار تھے، زمانے نے بے وفائی کی
اور انھیں تارک وطن ہوکر ہندوستان کا سفر کرنا پڑا، وہ ہندوستان آئے اور
سرکار شاہی میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہو گئے بادشاہوں کے درباروں میں
دوست کم اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں، میرے مورث اعلیٰ کے حاسدوں نے بادشاہ
کے کان بھرنا شروع کیے رفتہ رفتہ بادشاہ کی نظر پلٹنے لگی لیکن انھوں نے سادہ
لوحی سے کچھ خیال نہ کیا سنتا ہوں بڑے مرنجاں مرنج آدمی تھے کسی کی بدگوئی یا غیبت
کرنا جانتے ہی نہ تھے، اس لیے کبھی کسی کی شکایت میں زبان نہ کھولی نتیجہ یہ ہوا
کہ ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر دشمن اپنا کام کرتے رہے۔ بالآخر بادشاہ کی نگاہوں سے
گر گئے منصب چھنا، وظیفہ بند اور جاگیر ضبط ہوئی، آخر میں جان کے لالے پڑ گئے
انجام کار بال بچوں کو ساتھ لے کر راتوں رات بھاگ نکلے اور اس قصبے میں آکر
آباد ہوئے اس کے بعد سے اب تک ہم لوگوں نے کھیتی باڑی کر کے زندگی کے دن
گذارے غرور عالی نسبی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ ہندوستان
میں رہ کر ہم لوگوں نے اب تک اپنی اولاد کی شادی غیر کفو میں نہیں خواہ اولاد
ذکور ہو یا اناث! ہمارے خاندان کے سوا آپ کوئی خاندان ایسا نہ پائے گا جس نے
اتنی مدت تک اپنی ہڈی اور خون کو غیر اقوام کی آمیزش سے محفوظ رکھا ہو۔ چوں کہ
ہمارے اور ہموطنوں نے یہاں کی عورتوں سے عقد و مناکحت جائز خیال کیا
اس لیے ہم نے انھیں بھی اپنی لڑکیاں دینے اور ان کی لڑکیاں لینے سے انکار کیا!

لیکن افسوس! ہم اس روپیہ پر قائم نہ رہ سکے، جب کہ ہمارے خاندان کا خاتمہ ہونے والا تھا میرے بیٹے نے ایک ہندو عورت سے پوشیدہ بیاہ کر لیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہو گئی۔ لڑکی کی ماں تو زچہ خانے ہی میں فوت ہو گئی، لیکن بے ماں کی بچی بچ گئی۔ اس کی پرورش میں میرے اکلوتے بچے کو انتہائی مصائب برداشت کرنا پڑے۔ وہ نہ تو مجھے اس راز کی اطلاع دے سکتا تھا نہ بے ماں کی بچی کو عمداً موت کے منہ میں جھونکا جا سکتا تھا اس نے بدقت ایک مسلمان خاندان میں پرورش کے واسطے لڑکی سپرد کر دی اور کچھ ماہوار مقرر کر دیا۔ وہ لوگ کسی زمانہ میں ہندو مذہب کے پیرو تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے۔ کبھی چرائی پر مویشی چرا کر پیٹ پالتے اور کبھی اجرت پر کھیت جوتتے اور بوتے ہیں، ان کے اخلاق ادنے اور خیالات پست ہیں کسی طرح اس لڑکی کا ان کی نگرانی میں رہنا مناسب نہیں میں نے بارہا قصد کیا بچی کو لے کر کسی شریف گھرانے میں دے دوں لیکن چند وجوہ اس فعل سے مانع ہوئے۔ اول تو مجھ میں اتنی استطاعت نہ تھی دوسرے اپنی زندگی میں یہ راز ظاہر کرنا پسند نہ تھا کم و بیش تین برس کا زمانہ ہوا جب میرا بیٹا فصلی بیماری کا شکار ہو گیا۔ اس نے شرم و غیرت کی وجہ سے مرتے مرتے مجھ پر اپنی غلطی کا راز فاش نہ کیا مرنے سے قبل ایک پرچہ پر یہ واقعہ تحریر کر کے سرہانے رکھ گیا اور اس کے بعد مجھے علم ہوا معصوم بچی کا کوئی قصور نہیں اس پر اپنا غصہ کیا نکالتا؟ ناچار رہا کر لڑکی کو ... اس وقت اس کی عمر چھ سال کی ہے، ماشاء اللہ نہایت ... ہے اس میں میرے خاندان کی سی غیرت و شرم ہے غریبی نے اس کی صحت کو ستا رکھا ہے وہ ننھی سی جان گھر کے واسطے کنویں سے پانی بھرتی ہے، جھونپڑی کے اندر اور باہر جھاڑو دیتی اور گھر کا دھندا کرتی ہے۔ اول تو کھلونے نصیب ہی کہاں اگر کبھی کوئی مٹی کا بوا اس کے لیے گیا تو غریب کو کھیلنا نہیں ملا، اس کی لڑکی نے چھین لیا۔ میں نے کئی مرتبہ اس کے بچوں کو علیحدہ کھلونے دیئے مگر وہ بچے اپنے کھلونے توڑ کر اس کا کھلونا چھین لیتے ہیں۔ ان مشقتوں نے اسے بیمار ڈال دیا اور مرتے مرتے بچی میرے پاس جو دس بیس روپیہ تھے علاج کے واسطے وہاں بھیج دیئے مگر علاج معالجہ

خاک بھی نہ ہوا یہی حال رہا تو اندیشہ ہے بہت جلد مر جائے گی میرے بیٹے کو اس سے
بہت محبت تھی اور اپنے وصیت نامے مین اس کے متعلق سفارش لکھ گیا ہے
اس لیے چاہتا ہون حتی المقدور اس کے بچانے کی کوشش کرون اپنی موجودہ
علالت سے معلوم ہو گیا ہے کہ پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا صرف چھلکنے کی دیر ہے،
اس لیے آپ سے التجا کرتا ہون اگر ہو سکے تو خدا ترسی کر کے معصوم لڑکی کی
جان بچا لیجئے، میرے بعد اسے اس ناپاک خاندان سے لے آیئے گا اور اپنی نگرانی
مین تعلیم و تربیت دیجئے گا۔ اگرچہ اس کی ماں غیر قوم کی عورت تھی لیکن نہایت
شریف اور پاکباز مین نے تحقیق کر کے اس کی شرافت و پاکبازی کے ثبوت بہم
پہونچائے ہین۔ امید کہ لڑکی مین والدین کی خوبیان ودیعت ہون گی اور
آپ کو اس کی غور و پرداخت سے بعد کو ندامت نہ ہوگی۔

نور اللہ نے تقریر ختم کر کے سوکھے اور کانپتے ہاتھون سے ایک لپٹا
ہوا بانس کے کاغذ کا ٹکڑا حامد حسین کی طرف بڑھا دیا اس کے قلب پر نہ معلوم
کیا کیفیت طاری تھی کہ منھ سے بولا نہ گیا اس کی طرف کچھ اس طرح دیکھا جس کا
مفہوم شکر گذاری اور التجا کے سوا کچھ نہ تھا اس نے کاغذ ہاتھ مین لے کر پڑھا
جن لوگون مین لڑکی پرورش پا رہی تھی ان کا پتہ اس کاغذ پر مرقوم تھا۔"

حامد حسین ۔ تم اطمینان رکھو مین صوفیہ (لڑکی کا نام) کو اپنے یہان لے آؤنگا
سوء اتفاق سے اب تک نہ تو مجھے شادی کرنے کا موقعہ ملا نہ کوئی اولاد ہوئی
اس بچی کو اپنی لڑکی سمجھ کر پالون گا اور جوان ہونے پر کسی شریف خاندان مین
بیاہ دون گا وہ میری کمائی ہوئی دولت کی وارث ہوگی اور انشاء اللہ بہ عیش و
آرام زندگی بسر کرے گی مجھے نہایت قلق ہے کہ مین اب تک تمھارے حال سے
غافل رہا۔ اگر غفلت نہ کرتا تو تین برس کی مدت مین بہت کچھ مدد کر سکتا تھا
خیر! جو ہونا تھا ہوا تم میرے تغافل کو معاف کرو اور یقین رکھو تمھاری
پوتی کی غور و پرداخت کر کے اس قصور کی تلافی کر دون گا۔"

ساتواں باب

ہلاکِ غم

نور اللہ کی آنکھیں حامد حسین کی صورت پر لگی تھیں، میرا جملہ ہنوز ناتمام تھا کہ گستاخانہ شور کے ساتھ چند سرکاری پیادے ایک بدکار ہندو کے ساتھ کمرے میں گھس آئے وہ ہنوز واقعہ بھی نہ سمجھ سکا تھا کہ ابھی ہندو نے (جو بظاہر ان لوگوں کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا) حامد حسین سے ڈپٹ کر کہا:۔

تم سرکاری مجرم ہو، بغاوت کے جرم میں گرفتار کیے جاتے ہو۔"

حامد حسین:۔ بغاوت! تم کیا کہتے ہو؟"

چاہا حامد حسین اس سے دریافت کرتا جاتا تھا لیکن نگاہیں بوڑھے نور اللہ کے چہرے پر جمی تھیں اسے اندیشہ تھا کہ اس طوفان بے تمیزی سے کہیں نقصان نہ پہنچ جائے وہ بار بار ان لوگوں کے ناوقت گھس آنے پر دل ہی دل میں برہم ہو رہا تھا مجبوری بڑی ہوتی ہے سرکاری پیادوں کو نکال دینے پر قادر نہ تھا۔

نور اللہ کا داغِ ضعیف غم برداشت کرنے کی قوت نہ رکھتا تھا چہ جائیکہ اپنے محسن کو قبل از وقت بغاوت کے جرم میں گرفتار ہوتے دیکھتا! ادھر سپاہیوں کے خونخوار ہاتھ بڑھے اور ادھر اس کا منکا ڈھل گیا نبضیں ساقط، دل کی حرکت بند، اور روح پرواز کر گئی! حامد حسین نے ہائے کا نعرہ مارا اور کیشو سنگھ نے بھاری آواز میں کہا:۔

کیا تمھارا نام کلب حسین خان نہیں؟ کیا اب سے پانچ برس پہلے تمھیں بغاوت کے جرم میں قید نہیں کیا گیا؟ اور تم موقعہ پاکر جیل سے چوروں کی طرح فرار نہیں ہوئے؟"

حامد حسین کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ تھی، پھر کیونکر کیشو سنگھ کو جھٹلا کر

اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی جرأت کرتا اس نے ندامت سے سر جھکا لیا گویا اپنے قصور کا اعتراف کیا!"

اب وہ عجیب کشاکش میں پڑا تھا۔ ناوقت کی اسیری کیا کم تھی جو نوراللہ کی موت بھی واقع ہو گئی۔ غریب کا بے جان جسم پلنگ پر پڑا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ مرنے سے پہلے وہ جس طرح اپنے محسن حامد حسین کو پیار کی نظروں سے دیکھ رہا تھا اب بھی اسی طرح آنکھوں کا رخ ادھر تھا۔ جب پیادوں نے کمرے میں داخل ہو کر ہاتھ بڑھائے تو اس کی آنکھوں سے دو قطرے سرشک خون کے ٹپک پڑے تھے اس موتی کی جوڑی کو پنجۂ مژگان ہنوز انگلیوں میں دبوچے تھا۔

آہ! اس لاوارث میت کی تجہیز و تکفین کون کرے گا؟ صوفیہ! معصوم بچی کو ظالم پرورش کرنے والوں سے کون چھڑائے گا؟ بیوفا زمانے بے درد آسمان! تو نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا تیری گردشیں غریب آزار ہیں بے شک غریب آزار! اگر مجھ سے خصومت تھی تو مصیبت کے مارے ہوئے نوراللہ نے کیا بگاڑا تھا؟ اچھا! وہ بھی گنہگار سہی! معصوم صوفیہ تو قصور مند نہیں؟

یہ خیالات تھے جو لمحہ کی لمحہ میں حامد حسین کے دماغ میں گونج کر نکل گئے اس نے حسرت آمیز انداز سے نوراللہ کی لاش کو دیکھا، ٹھنڈی سانس لی اور کلیکٹر سے کہا:"

ہندو ہو یا مسلمان، بہر نوع تم بھی انسان ہو اور انسانوں کے فرائض میں ہمدردی شامل ہے میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے چھوڑ دو۔ اگر تمہارے نزدیک میں قصوروار ہوں تو ضرور گرفتار کر لیجئے۔ لیکن اتنی مہلت دو کہ اس غریب کی مٹی ٹھکانے لگا دوں، جس نے ابھی ابھی تمہارے سامنے دم توڑ دیا اور اب اس کی میت پر حسرت و عبرت ماتم دار ہے اب کسی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے ؎

لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لیے

اس کے بعد تمھاری مروت و ہمدردی گوارا کرے تو ایک روز کی مہلت بھی دینا کہ مرنے والے کی ایک خواہش پوری کر سکو پھر تمھارے ساتھ خوشی سے چلنے کو تیار ہوں"

کیشو سنگھ "مہلت؟ ہرگز نہیں ایک منٹ کی مہلت نہیں دی جا سکتی تم قید توڑ کر بھاگ نکلے ہو۔ تم نے ظل اللہ کے خلاف جوش پھیلانے اور لوگوں کو بغاوت پر ابھارنے کی کوشش کی ہے، تمھاری شخصیت حکومت کے واسطے مضر اور تمھارا وجود ملک کے لیے خطرے سے خالی نہیں! وقت سے آج تم ہاتھ لگے ہو تمھیں چھوڑ کر اپنے بادشاہ کی نافرمانی اور قانون کے خلاف ورزی کرنے کی جرات کرنا اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہے! (پیادوں سے) پکڑ لو اس باغی کو، یہ شاہی مجرم ہے خبردار! بچ کر جانے نہ پائے"

پیارے بڑھے، حامد حسین نے دیکھا نرمی سے کام نہیں چل سکتا در حقیقت وہ بزور فرار ہونا پسند نہ کرتا تھا لیکن نور اللہ کی تجہیز و تکفین اور صوفیہ کے خیال سے آزادی عزیز تھی جب تک معصوم بچی کا ٹھکانا نہ ہو جائے وہ گرفتار ہونا گوارا نہیں کر سکتا، پیادوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر حامد حسین سنبھل گیا اس کی خداداد قوت ضرب المثل تھی چار پانچ پیادے تو کیا چیز ہیں اگر چالیس پچاس تنومند جوان بھی اس کی مخالفت پر خم ٹھوک کر اکھاڑے میں اتر آئیں تو حامد حسین آسانی سے ان سب کو مغلوب کر کے نکل سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ کیشو رام کی ایک نہ چلی جو پیادہ آگے بڑھا وہ ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر پڑا دکھائی دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چار پانچ پیادے فرش زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑے"

جن طبقوں میں مکاری کا مادہ ہوتا ہے وہ مرد میدان نہیں بن سکتے اُن کی پرفتن طبیعت انجام کار کیادی کی طرف پھیر دیتی ہے علی ہذا القیاس کیشو رام بھی زبانی بہادر تھا، جب احباب کے مجمع میں بیٹھ کر کارنامے بیان کرتا تو اعلیٰ درجہ کا جنرل معلوم ہوتا۔ سیکڑوں لڑائیاں اس کی خون افشاں تلوار نے سر کی ہوتیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے تیغہ نے چوہے کا بچہ بھی شکار

شکیا تھا! جعل فریب البتہ اس کے چلتے ہوئے ہتھیار تھے جنھوں نے نہ معلوم
کتنے گھر بے چراغ اور کتنے خاندان تباہ و برباد کر دیے تھے۔ اس کی کنبہ نواز
طبیعت دوست دشمن کا امتیاز نہ کرتی جو سامنے آجاتا بلا تفریق اس کی
سلطنت کا شکار ہوتا و گنہگار و بے گناہ اس کے مظالم کے فریادی تھے جب سے
اس نے حامد حسین کو دیہات میں دیکھا تھا اسی گھڑی سے آزار پہنچانے کی فکر میں
کر رہا تھا۔ چند روز کے عرصہ میں زمین کا گز بن گیا اور کوشش بلیغ سے اتنا پتہ
لگا لیا کہ حامد حسین در اصل کلب حسین ہے، جو قید خانے کی سلاخیں توڑ کر
نکل بھاگا ہے اتنا سراغ ملتے ہی اس کی کمینی طبیعت نے ابھارا اور وہ عدالت
شاہی سے گرفتاری کا پروانہ حاصل کرنے کے بعد پیادوں کو ساتھ لے کر
آموجود ہوا اتفاق نے اس کی تدبیروں کو الٹ دیا پیادوں نے شکست
کھائی اس موقعہ پر حامد حسین سے مقابلہ کرنا یا کم از کم اس کی راہ روکنا خطرناک
تھا کیشورام خطرے کی راہ سے کوسوں دور رہنا چاہتا تھا۔ اس نے چپ چاپ
حامد حسین کی باہر جانے کا راستہ دیدیا جب وہ مکان سے نکل کر چلا گیا تو کسی
دوسری کارروائی کی فکر میں خود نکل کر روانہ ہوا۔

حامد حسین نور اللہ کی لاش تنہا مکان میں چھوڑ کر سیدھا اپنی کوٹھی آیا
اور ملازمین کو بلا کر ضروری باتیں سمجھانے کے بعد چند روز کے واسطے سفر کا
قصد ظاہر کیا۔ ان امور سے فارغ ہو کر اس نے نور اللہ کے میت اٹھائی جانیکا
حکم دیا اور خود کچھ اشرفیاں اور جواہرات لے کر اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا
جہاں ایک بد طینت غریب خاندان میں صوفیہ پرورش پا رہی تھی۔

کانپور سے وہ گاؤں کچھ دور نہ تھا۔ اور حامد حسین قوی بازو اور تیز رفتار
گھوڑے پر سوار نہایت جلد گاؤں میں داخل ہو گیا۔ کاغذ میں جو پتہ ترقیم تھا
اس سے معلوم ہوتا تھا: مکان مطلوبہ کے سامنے برگد کا بڑا سا پیڑ ہے اور اس کے
سائے میں کنواں ہے جس میں چرا وہی بھی بنی ہوئی ہے"

حامد حسین کو کنوین کی جگت پر ایک خورد سال لڑکی نظر آئی جس کے جسم پر پھٹا ہوا کرتا
اور ایک چیتھڑا [illegible] لپیٹا ہوا تھا [illegible] تنہا لڑکی نہایت بھولی بھولی حسینہ جمیلہ تھی اس وقت اسکی حالت ایسی [illegible] کی تھی [illegible] جو خاک میں

دبا بیٹھا ہو۔ جبین سے آثار شرافت، آنکھون سے شرم وحیا اور رفتار سے نیکی نمایاں
تھی اس کی عمر چھ اور سات سال کے درمیان مین تھی۔ بساط سے زیادہ محنت
ومشقت نے لاغر اندام اور کمزور کر دیا تھا، لڑکی نے گھڑا کنوین سے گھسیٹ کر
نکالا۔ بار بار پانی کے بوجھ سے وہ اسی کے ساتھ کنوین کی طرف بڑھ جاتی تھی
لیکن کبھی گراری کا کھمبا اور کبھی جگت پکڑ کر اپنے آپ کو کنوین مین گرنے سے محفوظ
رکھتی تھی اس کے نازک بازوؤن مین اتنی قوت نہ تھی جو پانی سے بھرا ہوا گھڑا نکال
سکتی بڑی دقت سے گھڑا کھینچ کر کر پر رکھا اور رسی لپیٹ کر کاندھے پر ڈالی
اور گھر کی طرف روانہ ہوئی، بوجھ سے غریب لڑکی کی کمر دوہری ہوئی جاتی تھی
ہر مرتبہ معلوم ہوتا تھا اب گری اور جب گری۔ اس کی مصیبت دیکھ کر حامد حسین
کا دل بے چین ہو گیا۔ آہ غریب معصوم بچی آسے معلوم نہ تھا کہ اسی غریب معصوم
بچی آج صبح سے اس وقت تک آٹھ گھڑے بھر کر گھر پہونچا ہے ہین جو بیٹھا گھر
بدمعاشون کے نہانے دھونے کے کام آئے اس کے علاوہ مٹی کے ٹوٹے پھوٹے
برتن اور تانبے کی دو تین میلی کچیلی پتیلیان مانجی ہین سارے گھر اور گھر کے
باہر جھاڑو بہار دی ہے اور کھانا پکانے کے واسطے جنگل سے لکڑیان
بٹور کر لائی ہے!"

حامد حسین نے رحیمانہ انداز سے اس کی کمر سے گھڑا اتار کر خود لے چلنا
چاہا غریب لڑکی سہم گئی اس نے پلٹ کر دیکھا ایک گھوڑا برگد کی جڑ سے
بندھا ہے۔ ایک تنومند وخوش پوشاک امیر آدمی اس کی کمر سے گھڑا
اتارنا چاہتا ہے مرعوبیت نے زبان سے تو کچھ کہنے نہ دیا لیکن دبلے پتلے
ہاتھون سے گھڑا پکڑ لیا۔

حامد حسین :- بیٹی! تم سے گھڑا گھر تک نہ جاسکے گا مجھے دیدو اور تم آگے
آگے راستہ بتاتی ہوئی چلو۔

لڑکی :- (دیہاتی زبان مین) اماں تمھین گھڑا لیے دیکھین گی تو مجھے بہت
مارین گی۔ صبح کو مجھ سے ایک گھڑا نہ اٹھ سکنے کی وجہ سے ٹوٹ چکا ہے اس پر اماں
نے بہت مارا پنڈے کے نیل دکھا کر دیکھو یہ سب نیل پڑ گئے ہین اب تک

کھانا بھی نہیں دیا ہے تمھیں گھڑا دیدینے سے اور بھی خفا ہوں گی "

لڑکی کی مظلومیت پر حامد حسین کا دل کڑھ گیا۔ اس نے عبرت کی نظروں سے لڑکی کے بندھے پڑے ہوئے بڑے بڑے نیلوں کو دیکھ کر کہا "

حامد حسین "تمھارے ماں باپ بڑے ظالم ہیں اگر اب مجھے دو میں انھیں سمجھا دونگا وہ تم کو نہ ماریں گی "

لڑکی "واہ۔ وہ کبھی نہ مانیں گی جب تم چلے جاؤگے تو مار مار کر خون نکال دیں گی "

حامد حسین "تمھارا گھر کہاں ہے؟"

لڑکی (انگلی سے بتا کر) وہ سامنے ہے "

گھر وہی تھا جس کا پتہ کاغذ میں لکھا ہوا تھا، حامد حسین کو یقین ہو گیا کہ یہی لڑکی صوفیہ ہے۔ نور اللہ نے جو جو باتیں بیان کیں تھیں وہ سب اس پر صادق آتی تھیں۔

حامد حسین "(لڑکی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر) بیٹی کیا تمھارا نام صوفیہ ہے؟"

لڑکی۔ (حامد حسین کا منھ دیکھ کر) ہاں، یہی میرا نام ہے، تمھیں کیونکر معلوم ہوا "

مجھے بھی معلوم ہو گیا یہ کہہ کر حامد حسین اس کے ساتھ ہو لیا۔ دن ڈھل چکا تھا، مگر آفتاب غروب نہ ہوا تھا آخری وقت کی ہلکی ہلکی دھوپ ہرے ہرے کھیتوں کو اپنی جوت سے چمکا رہی تھی، برگد کے سامنے والی جھوپڑی کے دروازے پر ایک لڑکی اور ایک لڑکا مٹی سے کھیل رہا تھا کہ صوفیہ حامد حسین کو لیکر پہونچی دونوں بچوں نے اُسے دیکھتے ہی پکار کر کہا "

"مہتاری! مہتاری!! دیکھ صوفیہ اب آئی ہے۔ کنوئیں پر چرہٹی کے پانی سے کھیل رہی تھی۔

کسی درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لیے ہوے ایک سیاہ فام عورت بکتی جھکتی جھوپڑی سے نکلی صوفیہ کا چہرا متغیر ہو گیا اور وہ سہم کر قسمیں کھانے لگی کہ میں کھیلتی نہ تھی۔ ظالم عورت نے اس کی قابل رحم حالت اور بھولی بھولی باتوں کا مطلق لحاظ نہ کیا لکڑی تان کر مارنے چلی۔ اگر حامد حسین سامنے نہ آجاتا

تو یقیناً وہ بڑی بے رحمی سے معصوم بچی کو زدوکوب کرتی حامد حسین کو درمیان میں دیکھتے ہی ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

حامد حسین۔ کیا نور اللہ نے اس لڑکی کو تمھاری ہی نگرانی میں پرورش پانے کو دیا ہے؟

عورت۔ (دیہاتی بولی میں) ہاں اس کے پوت نے دیا تھا۔

حامد حسین۔ نور اللہ نے وفات پائی اور مجھے وصیت کر گیا ہے کہ میں اسکی پوتی کو تم سے لیکر پرورش کروں۔ لہذا میں حسب الوصیت صوفیہ کو لینے آیا ہوں۔

عورت کے تیور بگڑ گئے! اس نے فوراً سالار کے باوا سالار کے باوا کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ موٹا تازہ ادھیڑ عمر کا ایک گنوار مرزئی پہنے دھوتی باندھے جھوپڑی سے باہر نکل آیا دونوں بچے جو دروازے پر کھیل رہے تھے اپنا کھیل چھوڑ کر اس کے قریب آگئے اور حامد حسین کی صورت دیکھنے لگے۔

عورت۔ دیکھو یہ میاں جی صوفیہ کو لینے آئے ہیں۔ ان کی فارسی میری سمجھ میں نہیں آتی ان سے پوچھو کیا کہتے ہیں۔

گنوار کا نام اللہ دیئے تھا، اس کی چھوٹی چھوٹی گول آنکھوں سے طمع اور تنگ پیشانی سے قلبی خباثت ظاہر ہوتی تھی یا تو وہ کھڑا ہوا حامد حسین کو نگاہوں سے دیکھ رہا تھا یا ایک قدم آگے بڑھ کے بولا۔

"آپ اس لڑکی کو کیوں لینے آئے ہیں"

حامد حسین۔ اسکے دادا نے مجھ سے وصیت کی ہے۔

اللہ دیئے۔ مگر ہم سے تو اس نے نہیں کہا تھا کہ کسی کو دیدینا۔

حامد حسین۔ (رعب جھلاتے ہوئے) شاید تم مجھ کو پہچانتے نہیں ہو۔ خیر! میں خود اپنے آپ کو پہچنوائے دیتا ہوں۔ میرا نام حامد حسین ہے! یہ گاؤں میری تحصیل میں ہے۔ اگر تم میرے خلاف مرضی کوئی بات کروگے تو یاد رکھو ابھی پاسیوں کو بھیج کر گھر کھدوا ڈالوں گا۔ اور کھڑے کھڑے تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

اللہ دیئے:- (ڈر کر) ہم حضور کے حکم سے باہر نہیں۔ مگر ہم نے اس لڑکی کو اپنی بیٹیا کی طرح پالا ہے ہر بات کا خیال رکھا ہے اور جو کچھ کماتے ہیں اس پر خرچ کر دیتے ہیں "

حامد حسین:- (کچھ سوچ کر) تم نے صوفیہ پر کتنا روپیہ صرف کیا ہے "

اللہ دیئے:- حضور! ہم تو پڑھے لکھے نہیں۔ کیا معلوم کتنا روپیہ صرف کیا ہے "

حامد حسین:- ذرا اللہ پرورش کے واسطے کچھ دیتے تھے "

اللہ دیئے:- جب ان کے پاس ہوتا تھا تو دو چار روپیہ دیدیتے تھے۔

حامد حسین:- خیر! جو ہوتا تھا ہوا، یہ بتاؤ کچھ اندازہ کر سکتے ہو کہ کتنا روپیہ تمہارا اس لڑکی پر خرچ ہوا "

اللہ دیئے:- (سوچ کر) دو سو "

حامد حسین:- اگر تمہیں دو سو روپیہ دیدیا جائے، جب تو لڑکی دینے میں عذر نہ ہوگا "

اللہ دیئے:- نہیں نہ اب عذر ہے نہ جب ہوگا "

حامد حسین نے دو سو روپیہ کی اشرفیاں ہمیانی سے نکال کر اللہ دیئے کے حوالے کیں اور پانچ پانچ روپیہ اس کے دونوں بچوں کو۔ دیکر صوفیہ کو گود میں اٹھا لیا اور درخت کے پاس آکر گھوڑا کھولا اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر صوفیہ کو گود میں بٹھالیا اور ایڑ دے کر ایک طرف چل کھڑا ہوا "

آٹھواں باب

احسان کا بدلہ احسان

اب تک حامد حسین نے طے نہ کیا تھا کہ صوفیہ کو کہاں اور کس کی حفاظت میں رکھے گا اللہ دیئے سے لڑکی کو لینے کے بعد فکر پیدا ہوئی۔ کانپور واپس

جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اتنی دیر میں کیشو رام نے۔ میری گرفتاری کا پورا بندوبست کر لیا ہوگا۔ تاوقتیکہ صوفیہ کا انتظام نہ ہو جائے گرفتار ہو جانا اچھا نہیں حالانکہ اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے چلے آنے کے بعد ہی کیشو سنگھ پتہ لگا کر اللہ دیئے کی جھونپڑی پر گیا اور اس سے مل کر کل واقعات معلوم کر لیے بلکہ حامد حسین کو عوام کی نگاہوں میں ذلیل کرنے کی نیت سے وہ الزامات بھی بیان کر دیئے جو خواہ مخواہ اس کے سر تھوپ دیئے گئے تھے۔

حامد حسین اس گاؤں سے نکل کر ایک قصبے میں داخل ہوا۔ آفتاب نصف سے زیادہ غروب ہو چکا تھا اور اس کا سرخی مائل ایک حصہ کسی قدر کھلا ہوا تھا مغربی حصہ آسمان غروب ہونے والے آفتاب کے مختلف رنگوں میں رنگا ہوا، دل فریبیاں دکھا رہا تھا اور کسان کھیتوں سے کام ختم کرنے کے بعد ہل اور بیلوں کی جوڑی لیے ہوئے گھروں کو واپس ہو چکے تھے۔ حامد حسین نے گھوڑے کی باگ روک لی اور قدم قدم چلنے لگا، شام کی مفرح ہوا میں چلتے ہوئے خوف زدہ دل کی تسکین افزائیوں میں سرگرم تھیں۔"

یکایک حامد حسین ایک ایسے ضعیف العمر کسان سے دوچار ہوا جسے اب سے پہلے کبھی دیکھ چکا تھا اس نے کئی بار اس کے چہرے پر نظریں گڑو کر حافظہ پر زور دیا، لیکن یاد نہ آیا کہ کہاں دیکھا ہے؟ کسان کی بھی یہی کیفیت تھی ازبسکہ حامد حسین کے دماغ کو افکار نے مختل کر رکھا تھا اس لیے اس سے قبل کسان نے پہچان لیا اور نہایت ادب سے سلام کیا شکر گزاری کے انداز پر دیکھنے لگا اس کے دیکھنے سے حامد حسین کو تعجب سا ہوا اور گھوڑا روک کر دریافت کیا تم کون ہو؟"

کسان "میرا نام الٰہ بخش ہے جوانی لکھنؤ میں امیروں کی ڈیوڑھی پر گذاری بڑھاپے میں بال بچوں کے ساتھ کھیتی باڑی کر کے خدا کی بندگی میں دن بسر کرتا ہوں۔"

حامد حسین "کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

الٰہ بخش "اپنی جان بچانے والے کو بھول بھی سکتا ہوں؟"

الٰہ بخش نے وہ واقعہ بیان کر دیا جب جھگڑے کے پیچھے میں دبا پڑا تھا۔

اور حامد حسین نے اس کا پاؤں پہیئے سے نکال کر جان بچائی علاج کرایا اور ڈولی پر سوار کر کے گھر بھجوا دیا تھا۔ اس کے بعد اسے اپنے یہاں مہمان کرنے کی التجا کی۔

حامد حسین: افسوس! وقت نہیں ورنہ ایسے شریف الخیال دوست کی مہمانی سے انکار نہ کرتا۔ البتہ اگر تم میرے سلوک کا بدلہ نہیں، نہیں مجھ پر کوئی احسان کر سکتے ہو تو اس لڑکی کی پرورش کا بار اٹھاؤ۔ اگر بدنصیبی اور گردش تقدیر نے مجھے زندہ چھوڑا تو کسی وقت آ کر اپنی امانت واپس لے جاؤں گا۔

الٰہی بخش نے بخندہ جبیں بالعلو ہمتی سے منظور کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا "اگر میں کچھ اور مدد کر سکتا ہوں تو بسر و چشم حاضر ہوں جس کے جواب میں حامد حسین نے شکر گزاری کی ہنوز وہ بوڑھے کسان کے گھر تک نہ پہونچنے پایا تھا کہ پچیس سوار دور سے آتے نظر آئے جن کے برچھوں کی انیاں شام کی ہلکی سیاہی میں کبھی کبھی چمک جاتی تھیں۔

بوڑھے کسان تو واقعہ کی نوعیت سے خبردار نہ تھا جو سپاہ شاہی کے آنے کی غایت معلوم کر سکتا۔ حامد حسین نے دور سے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ کیشو رام میری گرفتاری کے واسطے فوجی کمک لے کر آیا ہے۔ دلیر ہونے پر بھی اس کی جبین سے شکستگی کے آثار ہویدا ہو گئے۔ لیکن صوفیہ یا بوڑھا کسان شام کی بڑھنے والی تاریکی میں اس کے چہرے کا جلد جلد متغیر ہونا دیکھ نہ سکا۔

لکھنؤ سے کابنور آنے کا یہی راستہ تھا۔ اکثر مختلف اوقات میں قافلے گذرا کرتے تھے۔ کبھی کبھی شاہی فوجیں بھی کابنور آتی جاتی رہتی تھیں اور آئے دن ایسے مناظر دیکھتے رہنے کی وجہ سے گاؤں والوں کی آنکھیں قریب قریب عادی ہو گئی تھیں۔

کسان نے سواروں کو آتے دیکھ کر کچھ خیال نہ کیا جس لاپروائی اور اطمینان سے راستہ طے کر رہا تھا اسی طرح چلتا رہا۔

حامد حسین: معزز میزبان! تعجیل کرو، وقت تنگ ہے اور دشمن سر پر آ پہونچے اگر انھوں نے مجھے دیکھ لیا تو فوراً گرفتار کر لیں گے اور پھر میرے یا تمھارے بچے بنائے نہ بنے گی۔ بے قصور ہونے پر بھی مجھے گرفتاری کا رنج و ملال نہیں صعوبات [illegible]

تھا اگر کسی کو فائدہ پہنچ سکے تو نہایت خوشی سے آزادی کی آسائشیں قربان کرنیکو تیار ہوں ۔ لیکن غم نصیب معصوم لڑکی صوفیہ کی بھلائی کے واسطے چند روز کی آزادی چاہتا ہوں ۔ میرے بعد اس کی خبر گیری ایسی نہ ہوگی جیسی خبر گیری کو میرا دل چاہتا ہے ۔"

اللہ بخش لاعلمی کی وجہ سے حامد حسین کی گفتگو کا مفہوم نہ سمجھ سکا اسے حیرت تھی کہ حامد حسین کو اسیری سے کیا واسطہ ، شاہی سوار جو کسی ضرورت سے شاید کابل جا رہے ہیں اسے دیکھ کر کیوں گرفتار کریں گے وہ دریافت طلب نگاہوں سے حامد حسین کی صورت دیکھنے لگا ۔

حامد حسین ۔ یہ وقت واقعات بیان کرنے کا نہیں ، پہلے مجھے ان کی نظروں سے پوشیدہ کرنے کی تدبیر کر و اس کے بعد اطمینان سے میری سرگذشت سن لینا ۔"

اللہ بخش وہاں کے بعض مخفی مقامات سے واقف تھا اپنے محسن کو گھبرایا ہوا دیکھ کر انگلی سے ایک طرف جانے کا اشارا کیا اور صوفیہ کو اس کی گود سے اتار کر اپنی گود میں لے لیا ۔ حامد حسین بھاگ کر ڈھاک کی گنجان جھاڑیوں میں گھس گیا جھاڑیاں عجب عنوان سے واقع ہوئی تھیں ۔ چاروں جانب درخت تھے جن کی شاخیں آپس میں مل کر دیوار کی صورت بن گئی تھیں ۔ درمیان تھوڑی زمین افتادہ تھی جس پر دو سو آدمی بہ اطمینان پھیل پھیل کر بیٹھ سکتے تھے ۔

حامد حسین کے جانے کے بعد اللہ بخش بھی صوفیہ کو لے کر قریب کی ایک جھاڑی میں روپوش ہو گیا واقعات کا علم نہ ہونے سے طبیعت گھبرا رہی تھی جی چاہتا تھا کسی طرح اپنے محسن کی پریشانیوں کا سبب معلوم ہو جائے تو خاطر خواہ مدد دے کر اس کے گذشتہ احسان کی تھوڑی بہت تلافی کر دی جائے صوفیہ نا سمجھ تھی اسے کیا معلوم تھا کہ میں جن کی آغوش میں پناہ گزین ہوئی ہوں وہ کیسے مصائب کا شکار ہو رہے ہیں ۔ اس کے نزدیک جہان اور بہت سے کھیل تماشے تھے وہاں یہ بھی ایک افسردگی بخش تماشہ تھا ۔ جس نے اس کی قوت ممیزہ میں تحریک پیدا کر دی تھی اور وہ عالم استعجاب سے نکل کر اصلیت کی تہ پر جا پہونچنے کی کوشش کر رہی تھی ۔ ننھی سی عقل نے جہاں تک ساتھ دیا اس نے

حامد حسین کے بھاگ جانے کے اسباب ناحلاج پر غور و خوض کیا۔ تاہم اس کے واسطے یہ مالانحل وقوعہ تھا۔"

کیشو سنگھ کی معیت مین پچیس سوارون کا گاروہ ٹھیک اسی جگہ پہونچ گیا جہان تھوڑی دیر پہلے حامد حسین اور الہٰ بخش مین باتین ہو رہی تھین کیشو رام نے دور سے اس جگہ دو آدمیون کو دیکھا تھا۔ ہر چند اندھیرے کی وجہ سے وضع قطع کی شناخت کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن اس مین کلام نہین کہ اس نے دیکھ لیا تھا یہان پہنچ کر کسی کو نہ پانا تعجب انگیز تھا چاہئے تو یہ تھا کہ وہ آگے بڑھا چلا جاتا اور جب کوئی کسان واپس جاتا دکھائی دیتا تو دریافت کرتا لیکن اس نے ایسا نہین کیا۔ بلکہ چند آدمیون کو حکم دیا کہ چارون طرف دیکھ بھال کر کسی آدمی کو میرے پاس لائین کہ ان سے دریافت کر کے آگے کا رخ کیا جائے۔

پانچ سوارون نے جنگل مین کسی آدمی کو ڈھونڈھنا شروع کیا۔ چھپنے والون کا نصیب سمجھو یا کیشو سنگھ کی بدقسمتی کہ پانچون سوارون مین سے کسی کو بھی جھاڑی کے اندر جانے کا خیال نہ ہوا۔ وہ لوگ تھوڑی تھوڑی دور چارون جانب دیکھ بھال کر کیشو سنگھ کے پاس واپس آ کر بولے۔"

سوار۔ ہم لوگون نے اس جنگل کا پتہ پتہ دیکھ ڈالا یہان کوئی آدمی نہین ہے قریب ہی گاؤن ہے۔ وہان چلنے پر کسان سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

کیشو سنگھ نے سر جھکا کر چند لمحہ تک کچھ غور کیا اس کے بعد گھوڑے کی باگ ڈھیلی کر کے گاؤن کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اس کے عقب مین پچیسون سوار روانہ ہو گئے جب ٹاپون کی آواز مین آنا بند ہوا تو حامد حسین اپنی جھاڑی سے اور الہٰ بخش اپنے مامن سے باہر نکلے۔ حامد حسین نے گاؤن جانا مناسب نہ سمجھ کر وہین ایک درخت کی شاخ سے گھوڑا باندھ دیا اور زمین پر بیٹھ کر الہٰ بخش کو قریب بیٹھنے کے واسطے کہا۔"

حامد حسین۔ دالہٰ بخش سے کل واقعات بیان کر کے) یہ شخص خواہ مخواہ درپے آزار ہے چونکہ صوفیہ کی غور و پرداخت کرتا ہے۔ ایسے مین ابھی اپنی آزادی کھونا نہین چاہتا۔ اس لڑکی کو تم اپنی حفاظت مین رکھو۔ مین لکھنؤ جا رہا ہون۔ وہان سے

واپس ہوکر اسے اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔"

الٰہ بخش نے شوق سے آپ جایئے لڑکی بہت اچھی طرح میرے یہاں رہے گی۔ آپ کی خدمت گذاری میں میری جان بھی کام آجائے تو دریغ نہیں۔ یہ جان آپ ہی کی بخشی ہوئی ہے اس روز آپ نہ بچاتے تو میرا زندہ رہنا محال تھا۔ اگر میں اور کسی طرح آپ کی خدمت کر سکتا ہوں تو اپنا خادم دیرینہ تصور فرما کر ارشاد کیجئے مجھے عذر نہ ہوگا۔ افسوس! آپ سے ایسے وقت سابقہ ہوا" میں نہ تو کوئی خاطر کر سکتا ہوں نہ دو چار روز غریب خانے پر ٹھہرا کر اظہار شکر گذاری کر سکتا ہوں۔ اگر صوفیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو اس موقعہ پر میں بھی ہمراہ رکاب چلتا۔"

حامد حسین۔ (اشرفیاں اور جواہرات کی تھیلی دیکر) بچی کی پرورش کو فی الحال یہ رقم حاضر ہے۔ اگر میں لکھنؤ سے جیتا پلٹا تو اور جو کچھ ہوسکے گا دوں گا ورنہ اس لاوارث لڑکی کو اپنی اولاد سمجھ کر پرورش کرنا اور جب جوان ہو تو کسی شریف لڑکے سے عقد کر دینا خدا تمھیں اس کا اجر نیک عطا کرے گا۔

الٰہ بخش نے لڑکی کو گلے لگا کر منہ چوما۔ گویا حامد حسین کی باتوں کا جواب اثبات میں دیا وہ انتہا کا رقیق القلب واقع ہوا تھا شرفا کی حضوری نے اس میں اچھے خیالات پیدا کر دیئے تھے۔ یہ اسی صحبت کا فیض تھا کہ وہ محسن شناسی اور خدا ترسی کے محاسن سمجھتا تھا۔ جاہل تھا مگر بدتمیز پڑھے لکھوں سے بہتر قوم کا جولاہا تھا لیکن بدچلن شرفا سے اعلیٰ و افضل!"

حامد حسین نے اس کی گود سے صوفیہ کو لے کر پیار کیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور ٹھنڈی سانس لیتا ہوا کھڑا ہوگیا غریب لڑکی کو کیا معلوم تھا کہ اس کا شریف و رحیم محسن کیسی مجبوری کے عالم میں اس سے جدا ہو رہا ہے"۔ اس کی زندگی میں پھر بھی کوئی نیک ساعت ایسی آئے گی جو واپس ہوکر اپنی محبت کا اظہار کر سکے؟"

ابتدائی تاریخوں کا چاند نکل آیا تھا اور درختوں کی پھنگیاں روپہلی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں پتوں سے چھن کر آنے والی چاندنی زمین پر چھٹکی ہوئی دھوپ چھاؤں کی نظر فریب کیفیت دکھا رہی تھی چاروں طرف ہو کا عالم چھا رہا تھا کبھی کبھی قریب کے گاؤں یا آس پاس کے کھیتوں سے کتوں کے بھونکنے کی

خوفناک آوازیں آ آکر معصوم صوفیہ کے ننھے سے کلیجے کو ہلا جاتی تھی۔
حامد حسین نے الوداعی نظر ڈال کر صوفیہ کو رخصت کیا اور شریف الخیال کسان (اللہ بخش) سے خدا حافظ کہتا ہوا گھوڑے کے پاس آیا اسے درخت کی شاخ سے کھولا رکاب پر پاؤں رکھ کر پشت پر سوار ہوا اور پر حسرت نگاہوں سے پس ماندوں کو دیکھتا ہوا منزل کی طرف روانہ ہو گیا نہ معلوم کیوں۔ مگر جب تک نظر نے کام دیا ناسمجھ صوفیہ اور بوڑھا کسان جانے والے کی طرف دیکھتا رہا اور جب وہ درختوں کی آڑ میں ہو گیا تو گھوڑے کی ٹاپ سنتا رہا۔

نواں باب

حق و صداقت

حامد حسین نے لکھنؤ کا رخ کیا۔ تھوڑی دیر قبل ادھر ہی سے شاہی سوار گزرے تھے اس لیے اب ان کے پلٹ پڑنے کا خوف باقی نہ تھا۔ پھر بھی کسی نامعلوم خوف نے اس کے دل کو کمزور کر دیا تھا۔ اور وہ راستہ چلتے چلتے مڑ کر پیچھے دیکھنے لگتا تھا۔

کم و بیش پندرہ کوس زمین طے کرنا تھی صبح سے گھوڑا شل ہو رہا تھا تاہم اس کی مضبوطی پر حامد حسین کو بھروسہ تھا۔ کئی گھنٹوں بعد وہ لکھنؤ پہنچ گیا۔ رات کو نواب قربان حسین خان کی ڈیوڑھی پر پہنچا کہ پہرا دینے والے بیٹھے تھے پھاٹک کے پہلو میں گھڑیال تھا اس کے برابر ناندے میں پانی بھرا تھا اور پانی میں ایک کٹورا تیر رہا تھا جس کے پیندے میں چھوٹا سا سوراخ تھا اور اس کی راہ سے کٹورے میں پانی بھر آیا تھا۔ کٹورے میں سوراخ بنانے میں صنعت سے کام لیا گیا تھا یعنی اس حساب سے سوراخ کیا گیا تھا کہ ایک گھنٹے میں اتنا بھر جائے کہ کٹورا ڈوب جائے اور چوکیدار معلوم کر سکے کہ ایک گھنٹہ گذر گیا۔ گھڑیال کی

تپائی کے پاؤں میں ستلی بندھی تھی اور ستلی میں چند لکڑوں کی گولیاں گندھی تھیں جنکے ذریعہ سے گھنٹوں کا شمار یاد کیا جاتا تھا۔

جب حامد حسین ڈیوڑھی پر پہونچا ہے ٹھیک اسی وقت کٹورا ڈوبا اور پہرے دار نے دو بجائے! ادھر حامد حسین نے پھاٹک کی کھڑکی کو ہاتھ سے

دھبد دھبایا۔

پہریدار۔ "کون ہے"۔

حامد حسین۔ "حامد حسین!"

چوکیدار نے کھڑکی کھول دی۔ حامد حسین اندر داخل ہوا۔ چوکیدار نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن اس کے تیور دیکھ کر حامد حسین نے پہچان لیا کہ میرے ناوقت آنے سے چوکیدار کو استعجاب ہے۔

حامد حسین۔ "درحقیقت میں رات گئے کانپور سے یہاں آنا باعث حیرت ہو سکتا ہے مگر انسانوں کے دم کے ساتھ ان کی ضروریات ہیں۔ بہت باتیں خلاف توقع پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے بلا انتظار وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا ہے۔ اس وقت میرا یہاں آنا بھی ضرورت پر مبنی ہے۔ کیا نواب صاحب آرام فرما رہے ہیں"؟

حامد حسین اپنے مہمل سوال پر خود ہی شرمندہ ہو گیا۔ اسے معلوم تھا نواب قربان حسین خان دس اور گیارہ کے درمیان میں سو جایا کرتے ہیں۔

چوکیدار۔ "سرکار تو ہمیشہ دس بجے آرام کرتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں"۔

حامد حسین۔ "ہاں جانتا ہوں۔ راہ کی پریشانیوں نے بلا سمجھے میری زبان سے کہلوا دیا تم خیال نہ کرنا"۔

حامد حسین کے واسطے جو کمرہ مخصوص تھا اس کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی حسن اتفاق سے کنجیوں کے گچھے میں وہ کنجی بھی موجود تھی اور گچھا جیب میں پڑا تھا حامد حسین نے کمرہ کھولا شمع روشن کی اور پلنگ پر لیٹ کر اپنی حالت پر غور کرنے لگا۔

اتنی رات کسی نہ کسی طرح کٹ گئی۔ پریشانیوں کا عالم نا قابل بیان ہے مصیبت اسیروں پر خوف کی راتیں جس صورت سے گذرتی ہیں۔ حامد حسین نے بھی اسی عنوان سے شب کاٹی۔ صبح کو نماز پڑھ ادا کر کے نواب قربان حسین خان کی حضور میں حاضر ہوا۔

نواب صاحب خاص عنایت فرماتے تھے۔ تمام ملازمین پر توقیت دے رکھی تھی اور اکثر نہایت بے تکلفانہ گفتگو کرتے تھے۔ تخلیہ کی صحبتوں میں ادب و آداب بھی معاف تھا۔ اس نے حامد حسین کو گفتگو کرنے میں وجہ رکاوٹ نہ تھی اس نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔

قربان حسین " کہیے ؟ خلاف وقت کیوں کر آنا ہوا ؟"

حامد حسین " ایک راز ہے جسے ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا امید ہے حضور بھی اصرار نہ فرمائیں گے۔ آگاہی کے واسطے صرف اتنا بتا دینا کفایت کرے گا کہ خادم سخت مصیبت میں گھر گیا ہے کسی نہ کسی طرح قدیم دشمنوں کو میرا پتہ معلوم ہو گیا اور وہ فرضی الزامات قایم کرکے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مقام پر سامنا بھی ہوا لیکن میں بمشکل انھیں مغلوب کرکے حضور کی حمایت میں بھاگ آیا۔ صرف اس لیے کہ چند روز کی رخصت لے کر فرخ آباد چلا جاؤں۔ وہاں پہنچکر موجودہ خطرات سے آزاد ہو جاؤں گا۔ چند روز بعد جب شورش کم ہو جائیگی تو پھر حاضر ہوں گا۔"

قربان حسین " کچھ سوچ کر" آپ کے جانے سے میرے یہاں کے انتظامات میں بہتری پڑ جائے گی۔ فی الحال آپ سا لائق شخص میرے یہاں موجود نہیں اور مجھے آپ سے انسیت بھی ہو گئی ہے، دل نہیں چاہتا آپ کو اپنے پاس سے علیحدہ کروں لیکن جب آپ کی مجبوریوں پر نظر کرتا ہوں جو آپ نے بیان کیں تو آپ کی مصلحتوں کے خلاف روکتے بھی بن نہیں پڑتا کاش آپ اخفائے راز کی خواہش نہ کرتے اور میں دریافت حال کرکے بقدر قوت امداد کر سکتا تو نہایت خوشی کا موجب تھا۔"

حامد حسین " مجھے نہایت رنج ہوتا ہے، جب یہ خیال کرتا ہوں کہ رازوں کو اپنے محسن سے چھپا رہا ہوں۔ کیا کروں، واقعات ہی ایسے واقع ہوئے ہیں کہ کہتے سنتے بن نہیں پڑتا، گو یہ مشکل دگر نہ گویم مشکل کا مضمون ہے۔ زمانہ نے مہلت دی تو ایک روز از خود آپ پر میرا راز روشن ہو جائے گا امیدوار ہوں مجھے خوشی سے رخصت عنایت فرمائیے میری موجودگی نہ صرف میرے ہی حق میں مضر ہے

بلکہ جس پر مین اپنی جان تک نثار کرنے کو ہمہ وقت موجود ہون اس کے واسطے بھی خطرے سے خالی نہین مجھے اپنی جان کا خیال نہین ؟ کوئی خیال ہے تو اپنے وعدے اور ایک مرنے والے کی وصیت کا - ایک معصوم کی بھلائی میری زندگی کے ساتھ وابستہ ہے محض اس واسطے چند سال زندہ رہنا چاہتا ہون میری زندگی کی امید اسی وقت کی جا سکتی ہے، جب مین مدعیون کی دست رس سے باہر ہو جاؤن اور لکھنؤ یا کانپور مین رہ کر یہ بات ممکن نہین "

قربان حسین "بہتر ہے، جو مناسب وقت ہو عمل مین لائے - جب تک آپ فرخ آباد مین قیام رکھین وقتاً فوقتاً مجھے اپنی حالت سے اطلاع دیتے رہین - مین کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ کو ممکن امداد پہنچاتا رہون گا "

حامد حسین "میرا رویان رویان آپ کے واسطے دعائے خیر کرے گا - شاید آج ہی رات کی تاریکی مین خادم قدم مبارک چھوڑ کر کوچ کر جائے گا "

قربان حسین "ہین - اتنا جلد ؟ بھلا دو چار روز تو یہان رہئیے "

حامد حسین - ارادہ سفر میری مرضی پر چھوڑ دیجئے - ممکن ہے آج ہی چلا جاؤن یا دو ایک روز حاضر رہ کر شرف حضوری حاصل کر سکون "

نواب قربان حسین خان نے حامد حسین کی خواہشات منظور کر لین وہ دن حامد حسین نے ضروریات مہیا کرنے مین بسر کیا، شب کو جب نواب کی خدمت مین حاضر ہوا تو مصاحبین کا مجمع تھا سب لوگ نواب کو محظوظ کرنے کے واسطے خوش گپیون مین منہمک تھے - حامد حسین بھی سلام کر کے مناسب حال جگہ پر بیٹھ گیا "

شیخ صاحب "دیر بزرگ زندہ اخبار تھے) حضور کو یاد ہوگا، پانچ برس قبل نواب کلب حسین خان کو بغاوت کے جرم مین سزا ہوئی تھی اور تا صدور فیصلہ ثانی نظر بند کر دیا گیا تھا "

قربان حسین "ہان ! ہان وہ تو جیل سے نکل بھاگے "

شیخ صاحب "جی ہان اب کیشو سنگھ نے اس کا پتہ لگایا - اس کا بیان ہے عرصہ سے وہ کلب حسین کی جستجو مین حیران و سرگردان پھرا کرتا تھا بدقت

پتہ لگا۔ آج صبح وہ اسے گرفتار کر کے لایا ہے!"

اس محبت کیشو سنگھ کی دانائی، تلاش اور روانگی کی ستائش کرنے سے گئے حامد حسین کو نئی فکر لاحق ہو گئی۔ اس نے خیال کیا: "نہ معلوم کون بے جرم کیشو سنگھ کے مظالم کا شکار ہوا؟ کلب حسین خان کے گرفتار کرنے کی اس میں قوت نہیں وہ اس وقت آزاد ہے۔"

حامد حسین، حقیقت میں حامد حسین نہ تھا۔ بلکہ کلب حسین خان کہنا چاہیے جس کو بعض دشمنوں نے سزایاب کر دینے کی نیت سے جھوٹے الزامات کا مرتکب ثابت کر کے بادشاہ کو منغض کر دیا تھا۔ انھوں نے محض قید ہونے پر بھی اکتفا نہ کی بادشاہ کے کان بھر بھر کر قتل کا حکم حاصل کرنا چاہا۔ ہنوز اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کی تھی کہ کلب حسین خان جیل سے نکل بھاگا اور ان کے تجویز شدہ منصوبے غارت ہو کر رہ گئے۔ اور اور لوگ تو کچھ دنوں بعد دہ بیٹھے۔ لیکن کیشو سنگھ کی آتش بغض عناد سرد نہ پڑی وہ رات دن جو یا رہنے لگا۔ اتفاق سے ایک روز سامنا ہو گیا۔ ہر چند اس نے پوری طور پر شناخت نہ کیا پھر بھی ٹوہ لینے لگا۔ آخرکار اس کا شبہہ یقینی سے بدل گیا اور اس نے کلب حسین کی گرفتاری کی ناکام کوشش کی جو اوپر کے کسی باب میں بیان کی گئی ہے۔ جب کلب حسین کی گرفتاری میں ناکامی نصیب ہوئی تو اس نے خفت مٹانے کے لیے خیال سے ایک بے خطا شخص کو گرفتار کر کے قاضی کے سامنے پیش کر دیا۔ اور درباریوں سے ساز باز کر کے بادشاہ سے اسی کے قتل کا حکم حاصل کرنے کی طعون سعی کرنے لگا۔ اس کارروائی سے اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے معتبر ذریعوں سے کلب حسین خان کی نیکی طبیعت اور صداقت پسندی کا راز معلوم کر لیا تھا۔ جانتا تھا کلب حسین کا انصاف پسند دل کسی بے خطا کا قتل گوارا نہ کرے گا اور سنتے ہی اپنے کو ظاہر کر کے اسے آزاد کرا دے گا۔

کیشو سنگھ کا یہ خیال غلط نہ تھا۔ حامد حسین حقیقت میں بے قصوروں کو سزا پاتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب سے اس نے شیخ صاحب کی زبانی کسی بے گناہ کا اپنے عوض گرفتار ہونا سنا تھا۔ پہلو میں دل بے قرار تھا کبھی اس کی انصاف پسند طبیعت اپنے آپ کو ظاہر کر کے بے خطا کو مصیبت و آلام سے آزاد کرا دینے کا

تقاضہ کرتی تھی کبھی صوفیہ کا خیال پرورش دامن تھام کر روکتا اور اس کے اعلےٰ عزائم کا سدباب کرتا تھا۔ مصیبتون مین ایک سنگین مصیبت اور زیادہ ہو گئی تھی۔

نواب قربان حسین کی صحبت والے کلب حسین خان کے متعلق اپنے اپنے خیالات ظاہر کر رہے تھے کوئی اپنے زعم مین خطاوار و گنہگار خیال کرتا تھا اور کوئی مظلوم سمجھ کر سارا الزام دشمنون کے سر رکھتا تھا۔ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق موافقت و مخالفت مین سرگرم تھا۔ لیکن حامد حسین کو ان باتون کی مطلق خبر نہ تھی اس پر طویل سکوت مستولی تھا۔ خیالات فضائے بسیط مین اوڑ رہے تھے اور وہ کسی ایک رائے پر ٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تمام قوتین سمٹ کر ایک جا ہو گئی تھین اور سب باہم مل کر صرف ایک عقدۂ لاینحل کے حل کرنے مین مصروف تھین۔

رات کے دس بج گئے نواب اٹھ کر محل مین جانے لگے لیکن حامد حسین کو خبر نہ ہوئی! لوگون نے شائستگی سے تمسخر کرنا شروع کیا چارون طرف سے ادھیان آنے لگین، اور وہ مبہوت بنا بیٹھا رہا! جب نواب نے شانہ ہلا کر ہوشیار کیا تو چونکا، چونکا اور اپنی بے محلی ربودگی پر غم و غصہ کھانے لگا۔

گہری خاموشیان ہرگز نظرانداز ہونے کے قابل نہ تھین، گو اس نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا مگر لوگون نے اس کے افکار کا راز تاڑ لیا اور بقدر عقل و دانش ہر شخص کنہ دریافت کرنے لگا۔ دنیا کی باتین سمجھ مین آگئین مگر سکوت کا اصلی سبب معلوم کرنے سے ہر شخص قاصر رہا۔

کچھ سمجھا تو نواب قربان حسین خان نے سمجھا۔ کیون کہ صبح کو حامد حسین نے خود تھوڑا بہت حال کہہ سنایا تھا، انھون نے بھی بوجہ لاعلمی جدید پریشانی کا غلط اندازہ لگایا لیکن حامد حسین کو مجبور کر کے پوچھنے کی کوشش نہ کی بلکہ اور پوچھنے والون کو دریافت حال سے روک دیا۔

مصاحبین رخصت ہو کر گھرون کو گئے نواب محلسرا مین تشریف لے گئے حامد حسین بادل برخواستہ اپنے کمرے مین آیا۔ یون تو کل کی رات بھی اس کے واسطے سخت ترین راتون سے تھی لیکن آج کی پریشانیان حد سے بڑھی ہوئی تھین

صبح ہوئی، دنیا کا کاروبار حسبِ معمول جاری ہوا، حامد حسین بھی حجرے سے برآمد ہوا لیکن چہرا اداس، آنکھیں پھٹی پھٹی، لب خشک اور دل مضطرب تھا رنگ کا زردی پن یکایک کسی مہلک مرض کے لاحق ہونے کی خبر دیتا تھا نواب قربان حسین خان نے تغیر حال کا سبب دریافت کیا۔ اس نے پھر کچھ کہہ سن کر ٹال دیا ساتھ ہی یہ بھی گذارش کر دیا۔

"غالباً کل صبح میں رخصت ہو جاؤں"

سارا دن اضطراب میں گذرا۔ شہر کی گلی کوچوں میں کلب حسین خان کی گرفتاری کے افسانے بیان ہو رہے تھے بے فکرے الفاظ کی رنگ آمیزی سے بات کا بتنگڑ بنا بنا کر اجنبیوں اور لاعلموں سے بیان کرتے تھے۔ شام کو نواب صاحب کی صحبت میں پھر مصاحبین کا جمگھٹا ہوا۔ فی الحال کلب حسین خان سے ذکر ایسا نہ تھا جو صحبتوں میں بیان ہوتا۔ کل طرح آج پھر شیخ صاحب نے کہا:

"کیشو سنگھ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا۔ بادشاہ نے کلب حسین خان کے قتل کا پروانہ دیدیا کل علی الصباح اُسے حکم سنا کر قتل کر دیا جائے گا۔"

آہ! کیسی پریشان کن اطلاع تھی۔ حامد حسین کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے دھوکے میں کسی بے جرم کی جان جائے اور وہ باخبر ہونے پر بھی صبر کیے بیٹھا رہے ناممکن! بالکل ناممکن!! اس نے بجائے خود طے کر لیا کہ صبح عدالت کے روبرو حاضر ہو کر اپنے آپ کو ظاہر اور بے خطا پھنسنے والے کو آزاد کرا دوں گا جب عدالت میرا کلب حسین ہونا باور کرے گی تو بزور ان کے ہاتوں سے نکل کر فرار ہونے کی کوشش کروں گا۔ اگر بچ کر نکل سکا تو فبہا ورنہ غریب صوفیہ کا اللہ والی ہے الٰہی بخش نیک اور خدا ترس شخص ہے۔ ممکن ہے خالق مطلق اس کے دل میں رحم ڈال دے اور وہ مجھ سے بہتر تعلیم و تربیت دے سکے۔"

دس بجے نواب حرم سرا اور مصاحبین اپنے گھر گئے۔ حامد حسین اپنے کمرے میں آیا۔ اس کے علم و یقین میں یہ رات زندگی کی آخری رات تھی موجودہ لمحات محض خیالات کی الجھنوں میں ضایع کرنے کے قابل نہ تھی اس نے جانماز بچھا کر بہ خلوص نیت عادت خدا کرنا شروع کی۔ اب تک دانستہ و نادانستہ

جو گناہ صادر ہوئے تھے ان کے عفو کی دعائیں مانگی۔ انھیں متبرک اشغال میں صبح ہو گئی۔

ادھر مشرقی حصے پر سپیدی چھائی اور ادھر محل سرا کا پردہ اٹھا اور نواب قربان حسین خاں مردانے مکان میں برآمد ہوئے۔ حامد حسین قریب گیا اس کے چہرہ معمولاً بحال تھا۔ رات بھر کی عبادت نے دل میں تقویت اور دماغ میں فرحت پیدا کر دی تھی۔ صاحب سلامت کے بعد اس نے رخصت طلب کی اور بشرط حیات واپس آنے کا وعدہ کیا۔

نواب کو حامد حسین کی جدائی شاق تھی کسی طرح دل گوارا نہ کرتا تھا کہ رخصت عطا کرے لیکن مجبوریوں اور مصلحتوں کو دیکھتے ہوئے وداع کر دینا مناسب سمجھا۔

آفتاب طلوع ہو چکا تھا کہ حامد حسین باہر نکلا۔ اس کا رخ عدالت کی طرف تھا۔ یہ زمانہ امجد علی شاہ کا تھا۔ نصیر الدین حیدر اور محمد علی شاہ دس اور پانچ برس حکومت کر کے راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ دربار سلطانی تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ تخت مرصع کار پر ضعیف و عبادت گذار بادشاہ رونق افروز تھا اس کی خدا ترسی اور انصاف پسندی دلوں پر راسخ ہو چکی تھی لیکن بعض کو ابتک اہل عملہ کی سازشوں نے بالآخر دھوکا دے ہی دیا۔ آج ایک بے قصور کو قتل کا حکم دیا جانے والا تھا۔ قیدی لوہے میں جکڑا ہوا حاضر تھا اور کارروائی شروع ہونے والی تھی کہ حامد حسین دربار میں حاضر ہوا۔ اس کے قبل کہ اس کی طرف کوئی شخص مخاطب ہو اس نے ادب آموز انداز سے کھڑے ہو کر عرض کی۔

ظل اللہ! اصل مجرم دربار عالی میں حاضر ہے کیشو سنگھ جس شخص کو گرفتار کر کے لایا ہے یہ محض بے قصور ہے۔ چونکہ مجھے اس کی خاطر جمعی کی عجلت ہے اس لیے ورود قدح سے پہلے ثبوت پیش کیے دیتا ہوں۔ پہلا ثبوت تو کیشو سنگھ کا مشاہدہ ہے اس نے میری قوت کی حالت دیکھی ہے غالباً وہ انکار نہ کرے گا۔ تیسن ... دوسرا ثبوت ... ہے جو شکار کے موقع پر زخم آ جانے سے

پیدا ہو گیا ہے"

نشان بہت بڑا اور سیاہ تھا۔ سب درباریوں نے دیکھا، اور کلب حسین کی جرأت سے حیران رہ گئے کوئی بھی اس طرح دوسروں کو بچانے کے لیے جان دینے نہیں آسکتا وہ اپنے پاؤں سے مقتل میں چلا آیا کیشورام نے ہر چند اسی خیال سے ناکردہ خطا کو چھپانا تھا، مگر اس موقعہ پر وہ بھی از خود رفتہ ہو گیا حامد حسین کو دربار سے نکل کر فرار ہونے کا موقعہ اس سے بہتر کیا مل سکتا تھا اس نے بغیر وقت ضایع کیے دربار سے نکل جانا چاہا اور ایسا ہی ہوا بھی"

دسواں باب

"صوفیہ"

زمانہ دس سال آگے بڑھ آیا، دنیا بمنزلہ دس سال بوڑھی ہو گئی۔ مگر صوفیہ کے چمن شباب میں بہار آچکی تھی۔ اس کا بچپن جوانی کی پر کیف امنگوں سے بدل چکا تھا طفولیت کا بھولا پن رخصت ہوئے دو تین سال گذر گئے اس کے بے حسین و جمیل چہرے پر شباب کی شوخیاں کھیل رہی ہیں، راحت و آرام کی زندگی پا کر قیامت کی جوانی نکالی ہے، کوئی شک نہیں کہ اس کا حسن لاجواب اس کی ادائیں بے مثل اور اوس کے ناز بے مثل ہیں، اچھی ترتیب نے اخلاق کو یوں سنوار دیا ہے، جیسے جِلا بلور کو یا صیقل تلوار کو چمکا دیتی ہے حسن کے ساتھ سلیقہ مندی عفت شعاری اطاعت گذاری کے جوہروں نے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں"

گذرا ہوا زمانہ خواب و خیال ہو گیا ہے۔ اسے یاد بھی نہیں کہ جب وہ ناسمجھ لڑکی تھی اس زمانے میں اس کی زندگی وسط صحرا میں ایک جھونپڑی کے اندر نہایت مصیبت میں گذری ہے۔ اس کے نزدیک جو کچھ ہے وہ حامد حسین ہے"

اسی کو باپ اور اسی کو ماں سمجھتی ہے۔"

حامد حسین نے صوفیہ کی تعلیم و تربیت میں اپنے کو وقف کر دیا تھا اردو فارسی کی کتابیں خود پڑھائیں تعلیم اخلاق کی تعلیم بھی اپنے ہی ذمہ لی تھی نواب قربان حسین کی شریف پروری نے اسے اوقات گزاری کی طرف سے بے فکر کر دیا تھا۔ ماہ بماہ معتدبہ رقم پہونچتی رہتی تھی اور وہ فرخ آباد میں بہ اطمینان امیرانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اب نہ کوئی کام تھا نہ کسی چیز کی فکر ہاں مگر جو کچھ بھی تھی وہ صوفیہ کی تھی۔"

کبھی کبھی لکھنؤ کی یاد آ کر دل تڑپا جاتی تھی۔ مگر وہاں ہنوز کیشو سنگھ سا دشمن جان و آبرو موجود تھا۔ اس لیے حامد حسین نے ادھر کا رخ نہ کیا۔"

امجد علی شاہ وفات پا چکے تھے اور لکھنؤ کے تخت پر آخری تاجدار محمد واجد علی شاہ بیٹھا حکمرانی کر رہا تھا اس کی مدت حکومت سے نصف زمانہ ختم ہو چکا تھا خوشامدیوں نے بادشاہ کی تمام تر توجہ عیش پرستی کی طرف پھیر دی تھی اور وہ ہمہ وقت ناچ و رنگ کی صحبتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔"

قربان حسین خان نے اگلا برتاؤ (حاکم و محکوم) بند کر کے دوستانہ و برادرانہ طریقہ برتنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کوئی معمولی شخص نہیں پوتڑوں کا نواب کلب حسین خاں ہے، جو زمانے کی مخالفت سے ان حالوں کو پہنچا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی آمدنی کا معقول حصہ اس کے اخراجات کے واسطے وقف کر دیا اور وہ فرخ آباد میں شان و شوکت سے زندگی بسر کر رہا تھا۔"

زمانہ حسب معمول آگے بڑھ رہا تھا، بادشاہ کی عیش پسندیوں نے امراد شرفا کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا تھا کبھی مینا بازار لگایا جاتا تو کبھی قیصر باغ کے میلے ہوتے اور بادشاہ کسی صحبت میں اندر بنتا تو کہیں گلفام کے بھیس میں نظر آتا۔"

کلب حسین کو لوگ بھول چلے تھے۔ نواب قربان حسین خاں نے رنگ شہر دیکھکر پہلے تو خطوط لکھکر کلب حسین کو لکھنؤ بلانا چاہا لیکن اس کی احتیاط

اجازت نہ دی ہر بار لکھنؤ آنے سے انکار کر دیا قربان حسین خان کو نہ معلوم کیوں کلب حسین خان کو بلانے کا خیال پیدا ہو گیا؟ جب وہ تمام تدبیرین کر تھکا تو اپنے جوان بخت جوان سالی فرزند حاتم علی خان کو فرخ آباد روانہ کر دیا کہ جس طرح ممکن ہو اپنے چچا کو ساتھ لے آؤ۔

حاتم علی خان کی عمر ماشا اللہ انیس سال کی تھی مسین بھیگ رہی تھین اور سبزہ آغاز تھا چونکہ قربان حسین خان خود ہی با اخلاق رئیس تھا اس نے اپنے اکلوتے بچے کو اس زمانے کے نامور عالمون اور آدمیون سے تعلیم دلائی تھی، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حاتم علی اپنے عہد کے تمام امیرزادون سے قابل خلیق اور با مروت واقع ہوا تھا چھوٹے بڑے ون کا بقدر مراتب پاس و ادب کرنا۔ ہر شخص سے بخندہ پیشانی آنا عام دستور تھا۔ اس کی نمایان خوبیون مین بہترین خوبی یہ تھی کہ اور امیرزادون کی طرح مرزا پھویا نہ تھا ضرورت کے وقت محنت و جفاکشی سے دم چرانا سیکھا ہی نہ تھا، اس کے دل چسپ اشغال تو علمی صحبتین اور ادبی چرچے تھے، لیکن فن ریاضت و سپہ گری کا شوق بھی مناسب درجہ پر تھا و اکثر شکارگاہ مین زور بازو کے بہتیل کرشمے دکھا چکا تھا۔ اس کے ہم سن دھوپ کے خوف سے جب خس کی ٹٹیون مین بیٹھے ہوئے گرمی کی شکایت کرتے ہوتے، ٹھیک اسی وقت حاتم علی کا گھوڑا کھیتون کی مینڈون پر تیز رو ہرنون کا تعاقب کرتا دکھائی دیتا اور جب بعض امیرون کے فرزند بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک سے خائف ہو کر کمرون مین قلعہ بند ہوتے اس وقت حاتم علی پٹیالی کی ترائی مین شیر کا شکار کھیلتا پایا جاتا۔

قربان حسین خان کو اپنے فرزند سے محبت تھی، اور بہت تھی، مگر وہ پرانے خیال کے ہندوستانی والدین کی طرح اپنی حقیقی محبت و شفقت کو نادان کی دوستی بنانا پسند نہ کرتا تھا جب محبت کا وقت آتا تو وہ نہایت شفیق باپ بن جاتا مگر جب تربیت کرتا تو اس سے زیادہ کوئی سخت نہ تھا۔

حاتم علی باپ کا حکم پا کر فرخ آباد روانہ ہو گیا، اس کے ہمراہ صرف آٹھ آدمیوں کا چھوٹا سا قافلہ تھا، اگرچہ گھر مین لشکرین موجود تھین اور ڈاک کا معقول انتظام

ہوسکتا تھا۔ لیکن حاتم علی نے گھوڑے کی سواری پسند کی اور منزلین کرتا ہوا بخیر و خوبی فرخ آباد پہونچ گیا۔

حامد حسین اپنے آقازادے کے درود کی اطلاع پاکر جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح باہر نکل آیا اور بڑے عزت احترام سے مکان مین لے گیا۔ ہمراہیون نے کمرین کھولین۔ گھوڑے اصطبل مین باندھے گئے اور حاتم علی خان کی ضیافت کا انتظام ہونے لگا۔

حامد حسین نے اب تک حاتم علی خان کو صوفیہ کے راز سے آگاہ نہ کیا تھا، اسکے اچانک پہونچ جانے سے نئی فکر پیدا ہوگئی صوفیہ کو چھپانا کسی طرح مناسب نہ تھا حاتم علی کے والد نے جو فیاضانہ سلوک اور احسانات کیئے تھے ان کا یہ مقتضی ہرگز نہ تھا کہ وہ اس کے فرزند سے کسی قسم کی غیریت کرتا اور سامنا کرانے مین بعض اندیشے ایسے تھے جنھین حامد حسین دل سے زبان تک لاتے ہوے ڈرتا تھا۔

ایک روز اسی پس و پیش مین بسر ہوگیا، حاتم علی نے مردانے مکان مین بسر کی۔ اسے کیا معلوم تھا حامد حسین جسے وہ اپنے والد کے حکم سے چچا پکارنے لگا تھا، کے ساتھ پردہ نشین عورتین بھی ہین! نہ کبھی اپنے یہان تذکرہ تا اس قسم کی افواہین گوش زد ہوئی تھین۔ اس کے نزدیک بظاہر مکان مین صرف حامد حسین رہتا ہے، یا اس کا متعلقہ عملہ جس کے بغیر امرا کا کام ہی نہین چل سکتا۔

البتہ فرخ آباد پہونچ کر اس نے حامد حسین کے مکان مین حرم سرا اور پردے کا انتظام دیکھ کر شبہہ کیا مگر وہ شبہہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ "معلوم ہوتا ہے کھانے پینے یا بعض ضروریات سے حامد حسین نے کچھ عورتین ملازم رکھی ہین جو پردے مین رہتی ہین"۔

حامد حسین جب سے صوفیہ کو اپنے ساتھ لایا تھا، اسی خیال سے ہمیشہ زنانے مکان مین سویا کرتا تھا۔ اول اول تو صوفیہ اس کے ساتھ سویا کی لیکن جب سے جوانی کی آمد آمد ہوئی اس کے واسطے حامد حسین اپنے برابر چھپرکھٹ بچھوانے لگا اور حاتم علی خان کے آنے کے بعد بھی اس نے باہر کا سونا مناسب نہ سمجھا بلکہ شب کو معقول عذر کرکے محل مین چلا گیا۔

حاتم علی کو یقین تھا کہ حامد حسین مجھے اپنے پاس بلائین گے لیکن عذر کر کے چلے جانے سے اس کو سخت تعجب پیدا ہوا اور اس نے دل ہی دل مین اس برتاؤ پر غور کیا۔ جب کوئی وجہ سمجھ مین نہ آئی تو حامد حسین کی مصلحت پر محمول کر کے خاموش ہو رہا تاہم اس کے دل کو تھوڑا رنج پہونچا جس برتاؤ کی امید نہ ہو اسکے صادر ہونے سے اکثر قلب مین ٹھیس لگتی ہے! حاتم علی لاکھ لاکھ اس برتاؤ کو بھولنے کی کوشش کرتا۔ مگر رہ رہ کر خیال پیدا ہو جاتا اور وہ باتین کرتے کرتے تخیل کے عمق مین ڈوب جاتا۔

حامد حسین بھی ان حالتون کو محسوس کر رہا تھا، اس کی تجربہ کار نگاہین حاتم علی کے دل مین ڈوب کر ان رازون سے واقف ہو چکی تھین جنھون نے اس پر استعجابی حالتین مستولی کر رکھی تھین۔ مگر وہ ٹالنا چاہتا تھا، اس وقت تک ٹالنا چاہتا تھا جب تک حاتم علی خود ہی جرأت کر کے لبون تک حرف شکوہ نہ لائے اور اس مین غالباً یہ مصلحت شامل تھی کہ شاید حاتم علی اخلاقی کمزوری مین مبتلا ہو کر دریافت حال نہ کر سکے اور مین اپنے مقصد مین کامیاب ہو جاؤن حالانکہ مشیت الٰہی سے بے خبر تھا اُسے خود نہین معلوم تھا کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔

ایک روز حسب معمول حاتم علی کے پاس بیٹھا ہوا باتون مین مشغول تھا ادھر اُدھر کے تذکرے چھڑے ہوئے تھے اور ہر شخص اپنے علم و عقل کے موافق رائے زنی کر رہا تھا، اتفاق سے اہل صحبت مین سے ایک ایک اٹھ کر جانا شروع ہوا تھوڑی دیر مین یکے بعد دیگرے سب لوگ اٹھ کر چلے گئے کمرے مین حاتم علی خان اور حامد حسین کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

حامد حسین بڑے میان! یون تو آپ کا آنا میری عزت اور خوشنودی کا موجب ہے لیکن اب تک تشریف آوری کی غایت نہ معلوم ہوئی۔ محض سیر و تفریح تو خیال کی نہین جا سکتی ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے جسے اب تک آپ نے مصلحتاً ظاہر نہین فرمایا۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو شوق سے فرمائیے مین جان و مال سے حاضر ہون۔ آپ کے والد کے احسانات ایسے نہین جو مین جان دے کر بھی ان سے سبکدوش ہو سکون، آپ کو نمک خوارون سے کوئی پردہ یا تکلف نہ چاہیے

اب تک مین نے انتظار کیا اور خیال کرتا رہا کہ آپ خود ہی ارشاد کرین گے، اب ضبط کی تاب نہین۔ آقازادے کو زیادہ دنون تک انتظار کی سختیون اور موقعہ محل کی تلاش مین بھٹکانا میرے واسطے نہایت شرمناک اور تکلیف دہ ہے اسوقت یہان کوئی موجود نہین، مین ہون اور آپ، یا وہ حاضر و ناظر ہے جو قدرت کاملہ سے عالم متزلزل کے ہر ذرے پر نظر رکھتا ہے بے سُنے دلون کی باتین جانتا ہے اور بے مشاہدہ کئے بندون کی حالتون کا معائنہ کرتا ہے جو کہین نہین رہتا اور پھر ہر جگہ موجود ہے، اس کی ذات کائنات پر محیط ہے اور کوئی چیز اس کے پرتو سے خالی نہین۔ اگر کسی کے آنے یا چھپ کر سُن لینے کا اندیشہ ہو تو مین انتظام کیے دیتا ہون، کسی ذی روح انسان کی مجال نہین جو یہان آکر پوشیدہ طور سے آپ کی گفتگو سُن سکے۔"

حاتم علی۔ "چچا جان! ایسے جملے فرمایئے جو مجھکو شرمندہ کردین اور مین تمام باتین بھول کر خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤن۔ آپ میرے بزرگ ہین آپ کو میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا موزون ہے جو بزرگ خوردون کے ساتھ برتا کرتے ہین مین خود پس و پیش مین تھا کہ اپنا مافی الضمیر کیونکر اور کس لفظون مین گذارش کرون شکر ہے آپ نے خود ہی دریافت فرما کر مجھے بڑی کشاکش سے آزاد کرا دیا اب تمہید اٹھانے کے لیے الفاظ تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی اور مین نہایت آسانی سے اپنا مطلب بیان کرسکون گا مجھے والد نے آپ کی خدمت مین روانہ کیا ہے اور فرمایا ہے، کہ تم اپنے چچا کو ہر ممکن طریقے سے رضامند کرکے لکھنؤ لے آؤ مین آپ کا چھوٹا ہون اس لئے خیال کرتا ہون اگر کسی بات کی ضد کرون گا تو محبت والے بزرگون کی طرح آپ کو میری ہٹ پوری کرنا ہوگی۔ لکھنؤ مین اب کوئی خوف باقی نہین۔ والد نے انتظام کر لیا ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی اُفتاد پڑی تو وہ آسانی کے ساتھ بادشاہ سے عفو تقصیر کراسکتے ہین اس لیے وطن چھوڑ کر پردیس مین قیام کرنا اچھا نہین معلوم ہوتا امیدوار ہون میری التجا قبول فرما کر میرے ساتھ وطن تشریف لے چلئے۔"

حامد حسین۔ "آپ شریف ابن شریف ہین۔ مجھے آپ کی زبان سے قابل قدر فقرات

سن کر تعجب نہین ہوا شرفاء کے خیالات ایسے ہی ہونا چاہیئے، مین بھی شریف
خاندان کا ایک فرد ہون اگرچہ مین نے غلطی سے اپنے خاندان کی عزت خاک مین
ملادی، اسلاف کے نام کو بدنام کردیا پھر بھی میری رگون مین وہی خون دوڑ رہا ہے
میری شرافت گوارا نہین کرتی کہ اپنے محسن کے احسانات کو نہ سراہون اگر میرا
ہر موئے بدن زبان بن جائے تو ہر زبان سے گذشتہ احسانون کا اعتراف کرون۔
اور بعد مین افسوس کرون کہ اعتراف کا پورا حق ادا نہ کرسکا، خیر یہ ذکر بے محل ہے
آپ نے مجھے جن باتون کا اطمینان دلایا دراصل مجھے ان کا رتی برابر خوف نہین کیونکہ
کی خواہشین صرف اتنا ہی کرسکتی ہین کہ میری ہستی کو حرف غلط کی طرح صفحہ عالم سے
مٹا دین، مین بے جرم وخطا قتل کردیا جاؤن اور دشمنون کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے اس سے
زیادہ لوگ کچھ نہین کرسکتے مگر واضح رہے کہ حامد حسین مرنے کے خوف سے نہین ڈرتا
موت تو ایک خواب شیرین ہے جس کے واقع ہونے کے بعد انسان تمام علائق سے
پاک جھگڑون اور مناقشون سے آزاد ہو جاتا ہے جہان ہستی کا پردہ درمیان سے
اٹھا اور حیات سرمدی کا زمانہ شروع ہوگیا وہ زندگی۔ زندگی ہوتی ہے جس مین
نہ تو بیماری آزار پہنچا سکتی ہے، نہ کوئی واقعہ مبتلائے آلام کرسکتا ہے موت کا کھٹکا
باقی نہین رہتا۔ اگر بعض امور سد راہ نہ ہوتے تو اب تک لبیک کہہ کر موت کی طرف
بڑھ چکا ہوتا۔ تقدیر نے میرے ہاتھ مین ایک کام سونپ دیا ہے جب تک اسے
پورا اور اپنے گذشتہ گناہون کی تلافی نہ کرلون مرنے سے حتی المقدور بچتا رہون گا
حاتم علی یہ درست ہے مین زیادہ بحث نہین کرسکتا، علی الخصوص اس حالت مین
جبکہ مجھے بہت سی باتون کا علم نہین البتہ اتنی گذارش کرنے کی جرات کرون گا
کہ فرخ آباد مین بیٹھ کر جو کام انجام دیئے جاسکتے ہین وہ لکھنؤ کی زمین پر اس سے بہتر
طریقے سے ہوسکتے ہین پھر کوئی وجہ نہین جو خواہ مخواہ وطن سے دور اور احباب سے
جدا ہو کر ناخوش گوار زندگی بسر کی جائے"
گفتگو کا نتیجہ حسب منشا نکل آیا حامد حسین لکھنؤ چلنے پر آمادہ ہوگیا۔ اگر کوئی
پس و پیش تھا تو صوفیہ کے وجہ سے یہان تو کسی نہ کسی طرح پردے کا انتظام ہے
راستے مین یہ صورت قائم نہین رہ سکتی۔ شکرم پر۔ تو خیر پردے کی ضرورت ہی نہ تھی حاتم علی کو

مستعجب کئے بغیر نہین رہ سکتی ضرورت تھی کہ سفر سے قبل اسے بعنوان شائستہ اس رازسے آگاہ کر کے صوفیہ کا سامنا کرادیا جائے۔

اب تک تو چھپا یا اب کس بہانے سے سامنا کیا جائے ؟ یہ سوال تھا جو بار بار حامد حسین کے دل مین پیدا ہو کر متفکر بنا جاتا ۔ ایک روز کامل اسے سوچتے گذر گیا۔ آخر طے پایا کہ بغیر بچھ کئے اچانک سامنا کرا دینا مناسب ہے۔

گیارھوان باب

عشق و روانگی

دوسرے روز جب آفتاب روزانہ مسافت قطع کر کے بحر مغرب مین ڈوب رہا تھا اور اس کی الوداعی شعاعین حامد حسین کے بائین باغ کی دیوارون اور درختون کو سنہری رنگ مین رنگ رہی تھین۔ حامد حسین کے ایک خدمت گار نے حاتم علی خان سے مودبانہ التماس کی ۔

"حضور کو سرکار بائین باغ مین یاد فرما رہے ہین ۔ مگر ارشاد ہوا ہے کہ حضور تنہا تشریف لائین"

حاتم علی نے پیام سنا لیکن اس کی نوعیت نے متحیر کر دیا۔ تنہا آنے کی قید کیون لگائی گئی ؟ اب تک کبھی زنانے مکان مین طلب نہ کیا تھا آج نئی بات کیون ہوئی ؟ خیالات تھے جو دفعتہً دل مین پیدا ہو گئے ۔ اور حاتم علی سر جھکا کر سوچنے لگا۔ خدمت گار جواب کے انتظار مین دست ادب باندھے سامنے کھڑا تھا تھوڑی دیر بعد حاتم علی نے سر اٹھا کر جواب دیا ۔ "اچھا آتا ہون" اور پھر غرق تخیل ہو گیا۔ کوئی نہ معلوم قوت اس کے فسیح دل کو مرعوب کر رہی تھی ! بائین باغ مین جاتے ہوے اضطراب سا تھا، دل آپ سے آپ دھڑک رہا تھا اور وہ اسے جبراً روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ کئی مرتبہ اٹھنے کا قصد کیا۔ تھوڑا اٹھا بھی لیکن قدمونکو

لغزش ہوئی اور وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔ اس کمزوری سے خجل ہو کر اس نے چاروں طرف دیکھا کہ کسی نے اس کی اس کمزوری کو محسوس تو نہیں کیا؟ اور پھر طبیعت پر قابو حاصل کر کے اٹھا قدم آگے بڑھانا چاہتا تھا اور پاؤں پیچھے ہٹے جاتے ہیں۔

پائین باغ مردانہ مکان سے ملحق تھا۔ صرف چند کمرے اور ایک صحن طے کرنے کے بعد مختصر سا خوب صورت دروازہ ملتا تھا جس کو طے کرنے کے بعد پائین باغ شروع ہوتا تھا۔ لیکن حاتم علی کے واسطے اتنی مسافت فرسخوں سے کم نہ تھی۔"

بدقت تمام ہچکچاتا اور رکتا ہوا پائین باغ کے دروازے تک پہونچ گیا یہاں قبل ہی سے ایک کہاری منتظر تھی، وہ حاتم علی کو ٹھٹھکتے دیکھ کر بولی "

حضور تشریف لائیں"

حاتم علی جرات کر کے باغ میں داخل ہوا مختصر سا بغیچہ نہایت خوبصورت عنوان سے اپنی دل فریبیاں ظاہر کر رہا تھا پھولوں کے پودے پھلوں کے درخت مہندی کی روشیں اور گلابوں کے تختے، الگ الگ اپنی بہاریں دکھا رہے تھے وسط باغ میں پھونس کا حسین و خوشنما بنگلہ تھا۔ بنگلے کے اندر کرسیوں کی نشست پر ایک عورت اور چار حسین بیٹھا سورج کے ڈوبنے کا نظارا کر رہے تھے"

اس طرف دونوں کی پشت تھی جس کی وجہ سے حاتم علی عورت کی صورت نہ دیکھ سکا۔

آہ! غریب کو کیا خبر تھی کہ وہ ایسے مقتل میں بلایا گیا ہے جہاں حسین آنکھوں کے بے پناہ تیر اس کے قلب کو چھلنی کر دینے کے واسطے بغیر کسی قصد و ارادے کے آمادہ ہیں۔ جہاں سیاہ اور گھنی شرگانوں کی بیشمار برچھیاں تنی ہوئی ہیں اور اداؤں کی چھریاں عالم اجنبیت میں حلال کر ڈالنے پر کمربستہ ہیں!؟

حاتم علی کا دل دھڑکنے لگا، پاؤں میں لغزش مستاد پیدا ہو گئی اور قدم آپ سے آپ پیچھے ہٹنے لگے کوئی شک نہیں کہ وہ شہامت و بسالت میں اپنا آپ نظیر تھا، اس کے پہلو میں قوی دل تھا جس نے بارہا بھری برسات میں شیروں کی گرجتی ہوئی آوازیں سنیں اور خوف کو پاس نہ آنے دیا اس نے ڈاکوؤں کے ہنگامہ رست و خیز میں کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ اس وقت نہ معلوم کیوں ڈرا جاتا ہے کاش کوئی اس کے کان میں کہہ دیتا کہ اے نادان اجمل و لو خیز لڑکی جس صفائی

نگاہوں کے تیر برسا سکتی ہے، حسین چہرہ جس آسانی سے شہ زوروں کو مغلوب کرسکتا ہے وہ باتیں ضیغم کے نعروں اور بد دودن کی تلواروں کو کہاں نصیب؟
اگر حاتم علی تیزی کے ساتھ بنگلے تک نہ پہونچ سکا تو کوئی تعجب نہیں،
اس پر حالت ہی ایسی طاری تھی جو قدم روکتی تھی کہاری کو ان کیفیات قلبیہ سے کیا علاقہ وہ جذبات محبت محسوسات شباب کے فلسفہ کو کیا سمجھ سکتی اُس نے حاتم علی کو رکتے تھمتے دیکھ کر قدم بڑھائے اور حامد حسین کو حاتم علی کے آنے کی اطلاع کردی ”

حامد حسین اُٹھا اس کا اُٹھنا تو کچھ ایسا نہ تھا اب سے پہلے صدہا بار اس نے حامد حسین کو اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے دیکھا تھا قیامت تو اس کے ساتھ دنیائے حسن (صوفیہ) کا اٹھنا، آفتاب سے آنکھیں لڑانے کی قدرت انسان میں نہیں، آہ وہ چہرہ جو بے محابا اس کے سامنے ہوا تھا، آفتاب سے بہت زیادہ پر نور تھا، حاتم علی کی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوگئی، حسن نے نہ معلوم کیا جادو پھونکا کہ حاتم علی نے آنکھیں بند کرلیں اور ربودگی طاری ہوگئی ”
خدا جانے کب تک یہ عالم مستولی رہا مگر جب ہوش آیا تو اس کے کانوں میں یہ آواز پڑی ”

حامد حسین ”صوفیہ“ سلام کرو، یہ تمھارے بڑے بھائی اور محسن زادے ہیں ان کے والد نے میرے ساتھ صدہا احسانات کیے ہیں اور یہ انھیں کا طفیل ہے کہ آج ہم تم عافیت کے ساتھ امیرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں ”
ساتھ ہی شاخ سیمین کو جنبش ہوئی ہزاروں بجلیاں ایک ساتھ چمک چمک کر اس کی عقل و خرد پر گریں ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ نغمہ خیز آواز میں صوفیہ نے کہا ”
”بھائی تسلیم“
تیر اور برچھیاں دل توڑ سکتی ہیں، حسینوں کی نگاہیں کلیجے میں ڈراتی ہیں مگر وہ آواز ان سے بھی زیادہ آسانی کے ساتھ دل میں اُتر گئی ”
حاتم علی نے اپنی از خود رفتگی کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی اور دل کو

سنبھال کر حامد حسین کی طرف دُزدیدہ نظروں سے دیکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ وہ اس کے فوری طاری ہو جانے والی کیفیات سے خبردار تو نہیں ہوا ؟ اور اسے ایک خوشنما پھول کی طرف نگراں پاکر مطمئن ہو گیا۔ دل تو اب بھی دھڑک رہا تھا، نظروں میں فی الحال خبرگی کا اثر باقی تھا، تاہم بہت کچھ حالت سنبھل گئی تھی۔

حامد حسین ﴿حاتم علی سے﴾ آپ متحیر ہوں گے میں تو تنہا تھا یہ لڑکی کہاں سے آ گئی ؟ حقیقت میں آپ کا استعجاب بے محل نہیں، میں نے اس راز سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ اب تک لڑکی کو چھپائے رکھا لکھنؤ سے دور رہ کر اس کی تعلیم مکمل کی اب ماشاء اللہ وہ سمجھ دار اور جوہر علوم سے آراستہ ہے، میں اب بھی یہ راز ظاہر نہ کرتا لیکن آپ کے اصرار اور اپنی مجبوریوں پر نظر کر کے افشائے راز ہی مناسب معلوم ہوا۔ نہ تو یہی ہو سکتا تھا کہ آپ کی خواہش رد کرتا اور نہ لڑکی کو تنہا چھوڑنا گوارا تھا۔ اب کوئی عذر باقی نہیں جب آپ جانا چاہیں چلیں میں، ہم رکاب ہوں۔

حاتم علی نے جواب نہ دیا خاموش کھڑا استفسار کا تقریباً طولانی نہ ہونے پر بھی موثر تھی کیونکہ حامد حسین نے بلا تصنع اپنا مافی الضمیر سادہ اور مختصر الفاظ میں ادا کر دیا تھا، وہ سر جھکائے تھا لیکن کبھی کبھی مشتاق نگاہیں چپکے چپکے پلکوں کی اوٹ سے نکل کر ایک نو بہار نازک چہرے کو (جو فروغ حسن سے بجائے خود گلستاں ہو رہا تھا) تاکنے لگتیں تھیں حالانکہ یہ نظارہ بازی چند سکنڈ بھی قائم نہ رہ سکی یا تو رعب حسن یا حامد حسین کا لحاظ نظروں کو ادھر سے ہٹا لینے پر مجبور کرتا۔

حامد حسین، حاتم علی کو ساتھ لیے ہوئے بنگلے میں آیا اور کرسی پر بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

حاتم علی، خاموش تھا گویا قوت گویائی صلب ہو گئی تھی! ایسی ہی کوئی جواب طلب بات ہوتی تو "جی ہاں" "جی نہیں" "بجا و درست" کہہ کر ساکت ہو جاتا۔ حقیقت میں آج کا روز حاتم علی کی زندگی میں عجیب باکیف انقلاب پیدا

کر دینے والا ریز تھا اس کے حسیات شباب مین حریدار ہلچل پچ گئی تھی جو امنگین
اب تک لاعلمی اور بے حسی کے گہوارہ مین بڑی آرام کر رہی تھین فوراً سے
ٹھوکے مین نہایت شورش انگیز عنوان سے بیدار ہو گئین، ارمانون نے دل مین
خلش پیدا کر دی اور دماغ تخیل محبت سے لبریز ہو گیا! ولولے ابھرے
اور قیامت زا ہنگامے لے کر ابھرے! امنگون نے آنکھون پر پٹی باندھنا
شروع کر دی۔"

وہ روز تو گذر گیا، لیکن اپنے ساتھ حاتم علی کا عیش و آرام اور راتون کی
نیند بھی لیتا گیا! اس کے جسم پر لباس حریر تھا، مگر اس کی آڑ مین دل مضطرب
راتون کو پھولون کی سیج تیار رہتی مگر آنکھون کی نیند غائب! سیر وشکار سے
قطعی تنفر پیدا ہو گیا۔ محبوب مشاغل طاق نسیان کی تزئین ہو گئے! ابکوئی
خیال تھا تو صوفیہ کا اور کچھ یاد تھی تو اوس کے حسین و جمیل چہرے کی جس نے
آفتاب کی طرح آنکھون مین چکاچوند پیدا کر دی تھی آدھی رات گذر چکی ہے
سارا زمانہ خواب راحت کے مزے لوٹ رہا ہے۔ شاہد فلک (ماہ) نازنینان
گردون (انجم) کے جھرمٹ مین اپنے رخ نورانی کی جوت سے سونے والونکے
چہرون پر چاندی سا سفید غازہ پھیر رہا ہے۔ اور حاتم علی آرام دہ بستر پر
خاموش لیٹا ہوا ماہ چاردہ سے صوفیہ کی بے داغ صورت کا تقابل کرنے مین
منہمک ہے۔"

آسمان پر کالے بادل چھائے ہین، موسلا دھار بارش ہو رہی ہے لیکن
حاتم علی سمجھ رہا ہے کہ صوفیہ نے چمکدار زلفین بکھرا دی ہین اور ان مین سے
پانی کے قطرات ابر باران کی طرح برس رہے ہین۔ بجلی کی چمک خیال پیدا کرتی
ہے کہ شاید صوفیہ کسی خیال مین مسکرا رہی ہے۔"

اصول فطرت کے مطابق پہلے تو حاتم علی کو جی بھر کے دیدار دیکھنے کی آرزو
پیدا ہوئی حسن اتفاق سے معقول ذریعہ پیدا ہو چکا تھا۔ حرم سرا مین بلا روک
ٹوک آجا سکتا تھا۔ لیکن صوفیہ بسبب حجاب فطری بہت کم گفتگو کرنے کا
موقعہ دیتی۔ دو ہی روز بعد حاتم علی کے ارمانون حریم قلب مین پاؤن پھیلانا

شروع کیے۔ آنکھیں تو گرانبار دیدار تھیں، اب گوش بھی گلہائے صوفیہ کے منتظر گذار ہونا چاہتے تھے، دو دن میں کم از کم دو بار ضرور محل میں جاتا۔ دل تو خواہش مند تھا کہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک صورت زیبا پر نظریں جمائے بیٹھا رہے لیکن افشائے راز کا خوف اسے مسوس مسوس کر رکھتا۔

ایک روز دسترخوان چنا تھا، خاصہ بردار نیان قابیں، پلیٹیں، پیالے اٹھا اٹھا کر سامنے کر رہی تھیں اور حاتم علی، حامد حسین اور صوفیہ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی دزدیدہ نگاہیں موقعہ پا پا کر گل عارض کی گل چینی کر رہی تھیں کہ حامد حسین نے کہا:

حامد حسین۔ اب تک آپ نے اپنے قصد سے مطلع نہیں فرمایا ایسا نہ ہو نواب بھائی (حامد حسین نے نواب قربان حسین بھائی کہنا شروع کیا تھا) مجھے مورد الزام تصور فرمائیں۔

حاتم علی۔ میرا قصد آپ کے ارادوں سے وابستہ ہے، جس وقت آپ حکم فرمائیں فوراً کوچ کا سامان درست ہو جائے مجھے فرخ آباد میں کوئی دلچسپی ہے تو آپ کی وجہ سے۔

آئندہ جمعرات سو لکھنؤ کے لیے مقرر کر دی گئی، سامان سفر درست ہونے لگا درمیان میں دو روز باقی تھے، انھیں دنوں میں ایک مبارک گھڑی ایسی بھی آ گئی جب حاتم علی کو صوفیہ سے ہمکلام ہونے کا موقعہ مل گیا۔

رات کا وقت تھا اور محل میں کافوری شمعیں فردنگوں کے اندر جھلملا رہی تھیں صوفیہ صحن میں تختوں کے چوکے پر بیٹھی ہوئی کلیات سعدی کی سیر کر رہی تھی کہ حاتم علی پہونچ گیا۔ اس وقت خادماؤں میں سے کوئی عورت حاضر نہ تھی حاتم علی تخت کے کونے پر بیٹھ گیا۔ صوفیہ کو مجبوراً بات کرنا پڑی۔ حیا روکتی اور تکلف منع کرتا رہا مگر اخلاق نے دونوں کو شکست دیدی اس نے سر جھکا اور آنکھیں نیچی کر کے کہا:

ادھر کہاں؟ یہاں، ادھر تشریف رکھیئے۔

حاتم علی۔ محسوسات قلب کو بمشکل دبا کر، تکلف کی ضرورت نہیں میں بہت اچھا

بیٹھا ہوں۔ کیا کلیات سعدی ہے،، ذرا میں تو دیکھوں "

صوفیہ نے کوئی جواب نہ دیا، حاتم علی کی طرف کتاب سرکا دی۔ اس نے
ورق الٹ کر دیکھا اتفاق سے پہلے ہی اس شعر پر نظر پڑی ؎

دلم بردہ نگارے، ماہرو، شوخ عیارے
بسنتی جامہ پوشے، بادہ نوشے، مست سرشارے

صوفیہ پر یہ شعر بالکل چھا رہا تھا۔ جس قدر اوصاف شعر کے دونوں مصرعوں
میں قائل نے بیان کیے حسن اتفاق سے صوفیہ میں موجود تھے وہ ماہرو بھی تھی
اور شوخ عیار بھی۔ اس کے حسین پیکر میں بسنتی لباس بھی تھا اور بادہ حسن و شباب
سے مست و سرشار بھی تھی۔ "دلم بردہ" کا مفہوم بھی حاتم علی سے پوشیدہ نہ تھا
وہ جانتا تھا کہ صوفیہ کی شرمگین نگاہوں نے کس خوب صورتی اور آسانی سے
پہلو چیر کر دل نکال لیا تھا!، مگر وہ کہہ نہ سکا، کاش جرات اس کی زبان میں
اتنی گویائی پیدا کر دیتی کہ وہ آزادی کے ساتھ صوفیہ کے سامنے سعدی کے
اس مشہور و معروف شعر کی شرح بیان کر سکتا۔"

بارھواں باب

"واقعات"

حامد حسین کو لکھنؤ آئے بہت دن ہو گئے اس درمیان میں حاتم علی اور
صوفیہ میں اچھی خاصی بے تکلفی پیدا ہو گئی۔ دونوں کی یکجائی جس اثر کی مقتضی
تھی وہ ظاہر ہو کر رہا۔ صوفیہ کے دل پر حاتم علی کی خفیہ بیقراریوں نے محبت
کا نقش بٹھانا شروع کیا۔ اس کے حیات شباب میں ٹھیس لگی اور وہ ابل پڑے
شباب کی پر بہار راتیں تنہائی میں کاٹنا دشوار ہو جاتی ہیں، دل کسی کی تنگ
آغوش ڈھونڈھتا ہے۔ لمبی لمبی سیاہ زلفیں بھرے بھرے بازوؤں پر بکھرا

چاہتی ہیں اور باہیں کسی کے گلے کا ہار بننے کو یکسر اضطراب ہوتی ہیں!"

صوفیہ کو یہ باتیں کہاں نصیب سچ تو یہ ہے، وہ اپنی سادگی سے محسوسات کا مفہوم بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ دل کی دھڑکن کو کوئی آزار اور امنگوں کو نہ معلوم کیا خیال کیے ہوئے تھی غریب کو یہ بھی معلوم نہ تھا۔ دنیا میں کون کون سے تعلقات ہیں؟ جن سے رشتہ محبت مستحکم ہوتا ہے۔ ضرورت تو یہ تھی کوئی اس کے حسین کانوں میں محبت کے افسوں مع تمام معنی و مطلب کے پھونک دیتا۔

حاتم علی ہی ایک شخص تھا جسے قدرت نے یہ موقع عطا کیے، مگر اس نے بھولی بھالی نوخیز لڑکی کو آلام عشق میں مبتلا کر کے بے چین کرنا پسند نہ کیا۔ اس نے ولولوں سے مغلوب ہو کر حامد حسین کو پیام دینا چاہا۔ ہزاروں مرتبہ جری ہو کر اس کے پاس گیا، لیکن صرف مطلب زبان تک نہ لا سکا! کبھی اپنے والد کا خوف اور کبھی حامد حسین کا لحاظ عرض مدعا سے مانع ہوا۔

کئی سال گذر گئے۔ سیکڑوں پرکیف راتیں آئیں جن کی بہار آفرینی نے حاتم علی کے دل میں سرور پیدا کرنے کے بدلے اور بھی آگ لگا دی صد ہا خوشگوار دن گذرے جب زمانہ موسم کی دلفریبیوں کے گیت الاپا کیا مگر حاتم علی ایک مجبور نوجوان تھا، جو دلی خیالات کی الجھنوں میں سر بزانو بیٹھا رہا۔

آخر کب تک؟ کبھی تو اسے جری ہونا چاہیے تھا۔ کبھی تو دل سے نکل کر صرف مطلب زبان تک آتا! ایک روز جب کہ وہ بہت مضمحل و افسردہ تھا حامد حسین آ گیا۔ اسے غمگین دیکھ کر دلجوئی سے دریافت کیا۔

"کیوں میاں! چپ چپ کیوں ہو، دشمنوں کو کیا فکر لاحق ہے؟ ابھی تو میں زندہ ہوں۔ کہو تو اپنا سر کاٹ کے نثار کر دوں۔"

حاتم علی "خاموش!"

حامد حسین نے پھر اصرار کیا۔ اسے کیا معلوم تھا حاتم علی کے دل میں جو خواہش پیدا ہو کر اسے افسردہ کر رہی ہے۔ اس کا علم میرے واسطے نہایت تشویش ناک ہوگا۔ حقیقت میں حامد حسین جان فدا کرنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن حاتم علی کی دلی خواہشات کا پورا کرنا چنداں

آسان نہ تھا"

جب اصرار حد کمال کو پہونچ گیا تو حاتم علی نے وقت کھونا اچھا نہ سمجھا۔ مودبانہ طور پر اپنا مطلب بیان کیا اور پر اثر الفاظ کے رابطہ سے حامد حسین کو مجبور کرنے کی ناکام کوشش کی۔

حامد حسین سنتے ہی سہم ہوگیا، مار گزیدہ سانپ کے ڈسنے اور برق زدہ بجلی گرنے سے یوں متعجب نہیں ہو سکتا جتنا حاتم علی کی چند لفظوں نے حواس باختہ کر دیا۔

صوفیہ عالی خاندان تھی اس کی نیکیاں محتاج بیان نہیں، حسن صورت سیرت کی آمیزش نے اسے وحید روزگار بنا دیا تھا، لیکن اس کا کیا علاج کہ نواب قربان حسین خان اس رشتے کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھ سکتا حاتم علی آغا زادہ اور محسن کا بیٹا تھا، کیا اس کی خواہش پوری کر کے اپنے محسن کو منفعل کرنے کی جرات کرے؟ ہر گز نہیں حامد حسین سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔

اس نے اب تک کسی سے صوفیہ کی ولادت کا اصلی راز بیان نہیں کیا تھا خود قربان حسین کو بھی یہی خیال تھا کہ صوفیہ حامد حسین کی صلبی دختر ہے جسے اب تک اس نے کسی پوشیدہ جگہ چھپا رکھا تھا اور اب اپنے ساتھ لے آیا۔

حامد حسین کی امارت زمانے کی دست برد سے تباہ ہو چکی تھی وہ قربان حسین کی روٹیوں پر پڑا ہوا زندگی بسر کر رہا تھا لیکن شرافت و نجابت میں کلام نہیں برسہا برس سے قربان حسین کے پاس تھا ایسی طویل مدت میں اس سے نیکیوں اور بھلائیوں کے سوا کوئی برائی ظہور میں نہیں آئی پھر بھی ایک امیر زادہ اس کی بیٹی بیاہنے میں خوش نہیں ہو سکتا صرف اس لیے کہ وہ غریب ہے اس کے پاس جہیز دینے کو دولت نہیں! ممکن ہے جو قربان حسین خان ان امور سے قطع نظر کر کے محض اس خیال کی بنا پر کہ صوفیہ حامد حسین کی بیٹی ہے حاتم علی سے عقد کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ تو بھی ایک قسم کی دغا بازی ہے جسے حامد حسین کا نفس گوارا نہیں کرتا"

اسی قسم کی بہت سی باتیں سوچ بچار کر اس نے صاف انکار کر دیا اس لیے

نہین کہ وہ حاتم علی کو لڑکی کے قابل نہین سمجھتا یا صوفیہ کو اس کے عقدین نیے سے خدا نہ کردہ سبکی اور توہین خیال کرتا ہے بلکہ اس لیے انکار کیا کہ وہ صوفیہ کو اس مرتبہ کی نہین پاتا جو حاتم علی کا زینت پہلو ہو۔

امیدین قطع ہو گئین، آرزوین آنکھون کے سامنے تڑپ تڑپ کر دم توڑنے لگین، کاش حاتم علی نے اپنی خواہشون کو دل سے باہر نہ نکالا ہوتا کاش اس نے حامد حسین صوفیہ کے لیے درخواست نہ کی ہوتی، تو ایک اُمید باقی رہتی اور اسی اُمید کو سینے سے لگا کر فراق کی دیانت خیز راتین، اور پرآشوب دن بسر کر سکتا آہ! اب تو نا امیدیان تڑپا تڑپا کر ہلاک کر ڈالین گی مگر علاج ہی کیا ہے تیر چلّے سے چھوٹ چکا۔

وہ دن گذر گیا۔ حاتم علی نے اس واقعہ کا کسی سے تذکرہ نہ کیا۔ اس کی بیچینیون اور بیتابیون مین غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ نہ دن کو چین نہ راتون کو خواب بکسر اضطراب والتہاب کی تصویر بن کر رہ گیا۔

حامد حسین کی تجربہ کار آنکھین ان رازون سے بے خبر نہ تھین، اول جب حاتم علی اور صوفیہ کا سامنا ہوا تھا اور حاتم علی کے دل پر جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ بھی حامد حسین نے دیکھی تھی اسی دن اس کا ماتھا ٹھنک گیا تھا، اس کے بعد کے متواتر مشاہدات نے کل باتین آئینہ کر دی تھین خود صوفیہ کے دل پر حالت بے خبری مین جو عالم طاری ہوتا رہتا تھا اسے بھی حامد حسین دیکھتا اور سمجھتا تھا ان لوگون کی اخلاقی کمزوریون سے جب تک ٹل سکے ٹالتے رہنا اس نے اصول قرار دیا تھا۔

قربان حسین کو ان باتون کا علم نہ تھا۔ فی زمانہ وہ صرف دو فکرون مین منہمک تھا اولاً حامد حسین کا قصور معاف کرانا اور دوسرے اس کی ضبط شدہ جاگیر اور جائداد واگذار کرانا۔ کوئی کلام نہین اگر زمانہ وقت دیتا تو وہ دونون مقاصد مین کامیاب ہو جاتا احکام قضا وقدر سے پیش پانا محالات سے ہے، اپنا ہر روز نیا روپ بدلتی رہتی ہے جب قربان حسین کوششون مین سرگرم تھا انھین ایام مین سرکار شاہی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات مین کشیدگی

آغاز ہو گیا، رفتہ رفتہ کدورتیں بڑھتی رہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۶ء میں انتزاع
سلطنت ہوا- بادشاہ بقصد پورب کانپور اور بنارس ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے
اور وہ تمام کارخانہ گاؤ خورد ہو گیا-

ہنوز انگریزوں نے ملک میں تسلط نہ پایا تھا، بڑے شہروں پر قابض تھے
نیندیں اچاٹ کیا کرتی تھیں اور سازشی پارٹیاں ممکن العمل تدبیروں سے
عوام الناس کو بھڑکا کر انقلاب کرانا چاہتی تھیں جا بجا خفیہ مشورے ہوتے
باہمی عہد و پیماں سے داعیات کی کڑیاں مضبوط کی جاتیں اور عالمگیر غدر کی
تیاریاں ہوتیں"

حاتم علی کی نظریں ان واقعات کو معائنہ کر رہی تھیں وہ دیکھ رہا تھا
کہ عنقریب انقلاب واقع ہونے والا ہے، وہ خون ریز ایام قریب تر ہیں جب
دیسی سورما تلواریں پکڑ پکڑ کر بدیسیوں پر ٹوٹ پڑیں شہر کی گلیاں اور بازاریں
کشتوں سے اٹ جائیں اور موریاں گندے پانی کے عوض انسانی خون سے بھری
نظر آئیں! اسے ناکامیوں نے زندگی سے سیر کر دیا تھا جینے کی ہوس مطلق نہ تھی
سچ ہے جیتا تو کس کے واسطے؟ صوفیہ اس کی نہیں ہو سکتی، صوفیہ سے الگ رہ کر
زندہ رہنا فضول! موقعہ اچھا تھا وہ بھی محض اپنی جان گنوانے کو انقلاب پسندوں
کی انجمن کا ممبر بن گیا"

اس کارروائی سے حاتم علی کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ گوروں یا کالوں سے
مخالفت کرے بلکہ اسے یقین تھا کہ دیسی آدمی انگریزوں کی باقاعدہ فوج سے
لڑ کر فتح نہیں پا سکتے! اور جب جینا مشکل ہے تو جان جانا دشوار نہیں"

بہت ممکن تھا، تلوار سے گلا کاٹ کر مر جاتا یا پیش قبض سے پیٹ چاک
کر ڈالتا مگر خودکشی ایک قسم کی کمزوری ہے، خودکشی کا مفہوم ہی یہ ہے کہ جب
کوئی مصیبت و آلام کی زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو کسی نہ کسی طریقے
سے جان دے دیتا ہے، خودکشی اخلاقاً اور مذہباً کبھی روا نہیں وہ مرتے وقت
اپنے دامن پر مذہب و اخلاق کی خلاف ورزی کا داغ لگانا پسند نہیں کرتا تھا
محض اس خیال سے اس نے جان دینے کی یہ تدبیر سوچی تھی"

حامد حسین نے بھی خفیہ طریقے سے حاتم علی کی کارروائیاں معلوم کر لیں۔ اور اسی وقت سے اس کے خطرناک عزائم فسخ کرانے کی کوشش میں مشغول ہو گیا بہتے ہوئے پانی کو باندھ رکھنا۔ اٹھتے ہوئے شعلوں کو بجھا دینا آسان ہے لیکن اُبھرے ہوئے جوش کو دبا دینا ممکن نہیں۔ حامد حسین کی کوششیں مشکور نہ ہوئیں۔ حاتم علی انقلاب پسندوں کی جماعت میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا!"

کیشو سنگھ زندہ تھا، اس کی منحوس آنکھوں نے انقلاب ہوتے دیکھا، بادشاہ ملک سے بیدخل کیا گیا، ریاست انگریزوں کے قبضے میں آ گئی اور انتظام میں غیر معمولی تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ بھی بقول ے

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

کے مشہور مقولے پر عمل کرنے کو تیار ہو گیا۔ جب تک بادشاہ کو اقتدار حاصل رہا کیشو سنگھ ان کی غلامی کا دم بھرا کیا جب حکومت دوسرے ہاتھ میں پہنچی تو اس نے بھی رویہ بدلا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا دم بھرنے لگا، افسروں تک پہونچنے اور قلوب پر اثر قایم کرنے کو کوئی حیلہ درکار تھا۔ اس نے انقلاب پسندوں کی تدبیر پر غور کرنا شروع کیا اور مخفی ذریعہ سے انگریزوں کو روزانہ رپورٹیں پہونچانے لگا۔

باغیوں کی حمایت اور خفیہ مقام کا پتہ لگانے پر اس کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار تھا۔ اب تک کیشو سنگھ کو انقلاب پسندوں کے مخفی مقامات کا (جہاں صلاح و مشورت ہوا کرتی تھی) پتا نہ لگا تھا۔ جوئندہ یابندہ مثل مشہور ہے، کیشو سنگھ اپنی جستجو میں کامیاب ہو گیا۔ جس وقت وہ مشورت گاہ میں داخل ہوا ہے اس کے جسم پر قاصدوں کا سا لباس تھا ظاہری وضع سے گوئندہ ہونا ثابت نہ تھا، لیکن وقت اور موقعہ کی بات کہ لوگوں کو کچھ شبہہ سا ہو گیا اور آخر کار ممو خان (انقلاب پسندوں کا سرغنہ) کے حکم سے حاتم علی اور چند با اختیار بغاوت پسندوں نے اس کی تلاشی لی۔

یوں تو کیشو سنگھ انتہا کا چالاک اور اپنے کاموں میں محتاج تھا، لیکن

اس روز کی رپورٹ لکھی ہوئی جیب مین موجود تھی جو تلاشی مین برامد ہوئی اور تلاشی لینے والون نے کاغذات کا پیکٹ معہ رسن بستہ کیشو سنگھ و محمود خان کے سامنے پیش کر دیا۔

وہ وقت نہایت نازک تھا سیکڑون خون خوار آنکھین کیشو سنگھ پر آگ برسا رہی تھی وہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھتا تھا موت کی بھیانک صورت دکھائی دیتی تھی جس آدمی پر نگاہ ڈالتا اُسے اپنے خون کا پیاسا پاتا تھا کئی بار التجا رحم کے قصد سے لبون کو جنبش دی مگر کچھ کہہ نہ سکا بغاوت پسندون کے کڑے تیورون نے ان کے پختہ عزائم کا یقین دلایا، اور جان کی امیدین منقطع ہو کر رہ گئین!۔

جب چہار جانب سے ناامیدیون اور مایوسیون کا ہجوم تھا، پچاسون تشنہ خون تلوارین نیام سے نکل نکل کر سر پر سایہ فگن ہو چکی تھین اور قریب قریب صورت سفر یاس کی موٹی موٹی نقابون مین ادسے زیبا چھپا چکی تھی، اس وقت ٹھیک اسی وقت کیشو سنگھ کو اپنی بداعمالیون کا خیال آگیا، ایک ایک اس نے جتنی خباثتین کی تھین بائیسکوپ کی متحرک تصویرون کی طرح مجسم ہو کر آنکھون کے سامنے گھومنے لگین جن کے چہرے امتداد زمانہ سے دھندلے ہو گئے تھے مگر ایک تصویر تھی، جس کا چہرا اب بھی روشن تھا، اتنا روشن کہ اس کے معصوم خط و خال ستارون کی طرح درخشان تھے۔

یہ وہی کلب حسین ہے جس کو بے جرم و خطا، محض اس کی شہرت و ناموری کے حسد مین اس نے بغاوت سے متہم کر کے سرکار سنا ہی سے سزا دلوا دی جائداد و املاک ضبط کی اور بالآخر جان کا خواہان ہو گیا۔

اب اس نے سمجھا کہ مین کسی مظلمے مین گرفتار ہون ستم زدون کی آہین خالی نہین جاتین غریبون کی مظلومیان رنگ لا کر رہتی ہین کیشو سنگھ لرز گیا قاعدہ ہے ظالمون کا وقت موت عموماً نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ جب آنکھون کا نور گھٹنے اور تاریکی کا حجاب کھنچنے لگتا ہے، جب جاتی ہوئی دنیا اپنی پیارون کو تکنے لگتی ہے اس وقت مرنے والے کے افعال نیک و بد مجسم ہو کر سامنے آتے

اوسزا و جزا کی خبر دیتے ہیں نیکوں کا کیا پوچھنا مرنے کی خوشی سے پھولے نہیں سماتے کیونکہ مکار دنیا پھر انھیں دام تزویر میں گرفتار نہیں کر سکتی قصور جنت آغوش کھولے ہوئے ان کے منتظر ہوتی ہیں۔ مگر وہ آنکھیں جن کے سامنے شعلہائے جہنم بھڑکتے ہوتے ہیں ملائکہ غضب جن پر عذاب کرنے کو آمادہ و کمربستہ ہیں ان کی موت سخت ہے۔ کیشو سنگھ انھیں لوگوں میں تھا جن کی جنت دنیا اور جن دین خود غرضی اور اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ اب جو موت کا یقین ہوا تو گذشتہ گناہ بیش عقرب کی طرح کھٹکنے اور تکلیف دینے لگے۔ اس نے خیال کیا کاش موت اتنی مہلت دیتی کہ میں چند روز اور زندہ رہ سکتا۔"

یہی محل نیکیاں قبول کر لینے کا ہوتا ہے۔ جن کے قلوب میں صلاحیت اور اور دماغوں میں عقل سلیم ہوتی ہے وہ صمیم قلب سے تائب ہو کر مرتے وقت پاک و صاف ہو جاتے ہیں، لیکن خبیث روحیں ملعون و مقہور نفوس کی خود سری اس وقت کو بھی کھو دیتی ہے۔ جہنم کے دہکتے ہوئے انگارے ان کی نگاہوں میں واہمہ معلوم ہوتے ہیں اور وہ ناعاقبت اندیشی سے ابد آباد کے لیے معذب ہو جاتے ہیں۔"

کیشو سنگھ اپنی مجبورانہ موت پر متاسف تھا نہ معلوم وہ اپنے افعال مذمومہ پر شرمندہ تھا عذاب آخرت سے بچنے کے لیے زندگی کی آرزو تھی؟ بہرطور رحمت الٰہی نے اس کی خواہش پوری کر دی جس طرح تاریکی کی چادر پھاڑ کر آفتاب نمودار ہو جاتا ہے، حامد حسین قاتلوں کی صفیں چیرتا ہوا اس کے قریب آیا۔"

تلواریں سر سے بلند ہو چکی تھیں، کیشو سنگھ منظر خونی کی تاب نہ لا کر آنکھیں بند کر لیں تھیں اور چار و ناچار مرنے پر تیار ہو چکا تھا اس کے قاتل بھی قتل پر آمادہ تھے اگر حامد حسین اس موقعہ پر پہونچ کر انھیں اصرار کے ساتھ ان کے عزائم سے باز نہ رکھتا تو کوئی کلام نہیں کہ وہ لوگ کیشو سنگھ کی مٹی ٹھکانے کر دیتے"

حامد حسین نے پہلے تو حاتم علی کو سمجھا کر تلوار نیام میں کرنے کو کہا اور جب اس کے حکم کی تعمیل ہو چکی تو ممو خان کے پاس آ کر بہت سے نشیب و فراز سمجھائے جس کا اثر یہ ہوا کہ ممو خان نے کیشو سنگھ کا معاملہ حامد حسین کی مرضی

چھوڑ دیا۔"

حامد حسین نے اسی وقت خنجر کی نوک سے کیشو سنگھ کی بندشیں کاٹ دیں گویا موت کے منہ سے نکال کر پھر زندگی کے پر فضا وادی میں چوکڑیاں بھرنے کو چھوڑ دیا۔ جب کیشو سنگھ اس منحوس مکان سے نکلنے لگا (جو در حقیقت اس کے واسطے منحوس تھا) تو حامد حسین نے کہا۔"

"کیشو سنگھ! اس نیک سلوک کو یاد رکھنا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو میں احسان جتانا گوارا نہ کرتا۔ مگر تمہاری نسبت میرا اور خیال ہے، تم رحم و کرم کی خوبیاں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لیے سمجھانا چاہتا ہوں کہ باوجود اس قدر عداوتوں کے میں نے تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کر کے نیکی کی تعلیم دی ہے، اگر کبھی تمہارے ہاتھ میں کوئی اسیر ہو کر مجبور ہو جائے تو اس کے ساتھ یہی فیاضانہ سلوک کرنا جاؤ تمہیں تمہارے فعلوں کا اختیار دیا جاتا ہے۔"

تیرھواں باب

بھگدڑ

گوشہ نشین نیک ہوں یا بد اگر اصول کے ساتھ عمل پذیر ہوں تو بارور ضرور ہوتی ہیں۔ بغاوت پسندوں کی سعی بھی مشکور ہو کر رہی، حضرت محل نے اپنے نور نظر برجیس قدر کی مسند نشینی منظور کر لی جس تخت سے ایک عیش پسند بادشاہ ہاتھ پکڑ کر اُتار لیا گیا تھا، جس نے بصد حسرت و یاس احباب و وطن سے کنارہ کش ہو کر محض حکومت کے واسطے صعوبات سفر برداشت کیے۔ اس تخت پر یازدہ سالہ بچہ زمام حکومت ہاتھ میں لیکر بیٹھا۔"

اگر دریا میں کاغذ کی ناؤ کار آمد ہو سکتی، اگر مٹی کی توپ سے قلعہ شکن گولے برسائے جا سکتے تو یہ بچہ بھی شہر کا انتظام کر سکتا کم و بیش ایک سال

بمشکل ہر شیر قدری کو قیام رہا۔ مگر اتنا زمانہ بھی چین سے نہ گذرا آخرکار عالمگیر بھگدڑ کی نوبت آئی۔ امیر فقیر، اور محتاج غنی ہو گئے۔ عالیشان محل مسمار ہو کر سطح زمین سے مل گئے اور ان کے اینٹ اور چونے کے ڈھیرون سے پستی کو بلندی نصیب ہوئی شہریون نے بھاگ بھاگ کر جنگل آباد کیے۔ ہزارون بے گناہ تہ تیغ ہوئے نہ معلوم کتنی لڑکیان بے باپ بھائی کی ہوئین اور کتنی سہاگنون کا سہاگ لٹا مکان اجڑے پڑے تھے اور کوچہ بازار سنسان گلیون مین جا بجا لاشون کے انبار تھے جن پر حسرت و عبرت نوحہ کر رہی تھی البتہ مردار خوار جانورون کی بن آئی تھی کہ جگہ جگہ پر ضیافت کا اعلیٰ سامان مہیا و موجود تھا۔

لڑائی کی آگ اب بھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ حضرت محل اپنے خورد سال بچے برجیس قدر کو قفس مین چھپا کر شہر سے فرار ہو گئی تھی آہ کی موج مین اور کتنے بچے بچیان گرد یتیمی مین اٹ گئے شہر کے انگریزون کی گولیون کا نشانہ ہوئی جو بچ رہے تھے وہ اپنی جان لے کر ادھر ادھر فرار ہو گئے۔ بدمعاش اب بھی لوٹ مار کی فکر مین بدنظمی پھیلاتے نظر آتے تھے کوئی قصر، کوئی مکان ایسا نہ تھا جہان ان کا دست حریص نہ پہنچا ہو اور وہان کا ساز و سامان غارت نہ ہو گیا ہو۔

لڑنے والون مین حاتم علی اب بھی ثابت قدم تھا۔ اس نے اپنے مورچہ مین جو درگاہ کے قریب تھا نہایت پامردی اور استقلال سے حریف کا مقابلہ کیا اور دکھلا دیا کہ شجاعت اس کو کہتے ہین۔ مگر کیا کرتا کہ میگزین کی نایابی نے اس کے دلی ولولون کو دبا کر رکھ دیا اور اس نے قضائے الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اس کی بے قاعدہ فوج مین ایک دیہاتی جوان بھی شامل تھا جسکی پھٹی حالت ظاہر کرتی تھی کہ دراصل نہ تو اسے انگریزون سے مخالفت ہے نہ ہندوستانیون سے موافقت بلکہ محض روپیہ حاصل کرنے کی نیت سے جنگ مین شریک ہوا ہے اس کے لڑنے کا ڈھنگ بھی ایسا تھا جو بزدلی پر دلالت کرتا تھا، حقیقت مین لڑنا تو برائے نام تھا صرف اس نے کشتون کی کمر مین ٹٹولنے کو لڑنے والون کی فہرست مین نام لکھوا دیا تھا جہان کسی کو گرتے

دیکھا اور گولیوں کی ضوسے بچتا ہوا اس کے قریب پہنچا جیبوں کی تلاشی لی اور جو کچھ نکلا ایک چیتھڑا پوش سیاہ فام نوخیز لڑکی کے حوالے کر دیا جو فوراً موڑ سے بھاگ کر کسی قریب کے کھنڈر میں روپوش ہو گئی۔

اس دیہاتی لڑکے اور لڑکی کو افسانے سے گہرا تعلق ہے اس لیے اس موقعہ پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ یہی وہ لڑکا اور لڑکی ہے جسکے والدین کے یہاں صوفیہ کی عمر کا ابتدائی حصہ گذرا ہے۔ اللہ دیئے اور زینت موت کی نیند سو گئے ہیں۔ سالار اور نصیبا کے ہاتوں مشیت الٰہی ایک راز کا پردہ فاش کر رہا ہے اس لیے وہ زندہ ہیں جس کا ذکر آگے آئے گا۔

لڑائی ہو رہی تھی اور حاتم علی کی طرف کمزوری پیدا ہو چلی تھی انگریزوں کا دستہ فوج ہندوستانیوں کو دباتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا یکایک ایک گولی حاتم علی کی ران میں پیوست ہو گئی۔ اگرچہ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر ضبط نہ ہو سکا گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

سالار حسب معمول اس کی جیبیں ٹٹولنے کے لئے قریب آیا۔ بدقسمتی سے حاتم علی کی جیب میں ایک پیسہ بھی نہ تھا جو سالار مال غنیمت سمجھ کر نکال لیتا۔ خوب سی تلاشی لینے کے بعد مایوس ہو کر واپس جانا چاہتا تھا کہ حاتم علی نے آنکھیں کھول دیں اور سالار سے مخاطب ہو کر کہا :۔

"کیا تم کو روپیہ کی ضرورت ہے"

سالار:۔ "اسی ضرورت نے تو مجھے اس جگہ لاکر کھڑا کر دیا ورنہ جہاں گولیوں کا مینھ برس رہا ہو وہاں میرا کیا کام تھا"

حاتم علی:۔ "اچھا ایک کام کر سکتے ہو"

سالار:۔ "نفع کی امید میں تو جان بھی دینے کو تیار ہوں"

حاتم علی نے اپنے خیالات کے مواقف پہلے ہی سے حامد حسین کے نام ایک رقعہ اس مضمون کا لکھ کر تلوار کے میان میں رکھ لیا تھا، "آپ نے میرے ارمانوں کا خیال نہ کر کے صوفیہ کے دینے سے انکار کر دیا۔ میں آپ کی مرضی کے خلاف پوشیدہ طریقہ پر صوفیہ کو حاصل کرنا اپنی شرافت کے خلاف سمجھتا تھا اس لئے

بجز جان دینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ مجبوراً بغاوت پسندوں میں شامل ہو کر انگریزوں
سے لڑا، الحمد اللہ میری خواہش پوری ہوئی حریف کی گولی نے مجروح کر ڈالا
ہنوز جان باقی ہے، وہ بھی اس لئے کہ مرتے وقت صوفیہ کو ایک نظر دیکھ لوں
اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے درگاہ والے مورچے سے لے جائیں۔ اب تک میں نے
صوفیہ سے اپنے ارادوں کا اظہار نہیں کیا نہ مرتے وقت کوئی ایسی لفظ زبان سے
نکلے گی جس سے صوفیہ یا آپ کو تکلیف ہو،

(راقم حاتم)

رقعہ لڑکے کو دے کر انگلی سے ہیرے کی انگوٹھی اوتاری اور اس کی طرف
بڑھا کر کہا۔ لو اسے بیچ کر فائدہ اٹھاؤ۔ مکان کا پتہ پوچھ کر سالار روانہ ہو گیا
اس کے ساتھ اس کی بہن نصیبا بھی تھی ۔

سالار جب دریافت شدہ پتہ پر پہنچا۔ تو ایک پر رعب شخص سے دوچار
ہوا جو ڈاب میں تلوار لگائے اور ہاتھوں میں بندوق لئے ٹہل رہا تھا حقیقت
میں یہ کوئی اور شخص نہ تھا بلکہ خود نواب قربان حسین خان تھے جنھوں نے اس
نازک وقت میں اپنے گھر کی چوکی داری اپنے ذمے لی تھی۔"

سالار۔ (رقعہ دیتے ہوئے) درگاہ والے مورچے سے ایک نوجوان سپاہی نے
یہ رقعہ بھیجا ہے (گڑگڑا کر) اس حالت میں جبکہ چاروں طرف قتل عام ہو رہا
ہے، میری بہن کو جائے پناہ نہیں ملتی، اگر حضور خدا ترسی کر کے اسے اپنے یہاں
جگہ دے دیں تو بڑا ثواب ہو گا۔ غریب کی جان بچ جائے گی۔ میں تو کسی نہ کسی طرح
بھاگ کر اپنی جان بچا لوں گا۔ یہ ڈرپوک لڑکی ہے، بندوق کی آواز سن کر گر
پڑتی ہے۔

قربان حسین خان نے جواب میں صرف اس قدر کہا، لڑکی کو اندر بھیج دو،
اور رقعہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ آہ! ایک محبت پرست باپ اپنے بہادر بچے
کو میدان میں دم توڑنے کی اطلاع پا کر کیونکر متحمل ہو سکتا ہے؟ شفقت پدری
نے جوش مارا اور وہ فوراً چلنے کو تیار ہو گیا۔ رقعہ میں ایک راز بھی تحریر تھا۔ اب تک
جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ تاہم اس نے راز پر زیادہ توجہ نہیں کی اسوقت

سارا خیال حاتم علی کی جان بچانے مین لگا تھا۔
جب قربان حسین درگاہ والے مورچہ کے قریب پہنچا تو اس کے ارمانون کا خون ہو گیا، امیدین ٹوٹ گئین اور دنیا آنکھون مین تاریک نظر آنے لگی۔ واقعہ یہ تھا کہ ہندوستانی ہتیار پھینک پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے گورون کی فوج نے مورچہ پر قبضہ حاصل کر لیا تھا، اور ہندوستانیون کو بے دریغ قتل کیا جا رہا تھا۔
قربان حسین نے سر ہتیلی پر رکھ کر مقتولین و مجروحین مین اپنے جانباز بچہ کو تلاش کرنا شروع کیا لیکن کہین پتہ نہ چلا اس کا سر چکرانے لگا قریب تھا عالم حزن و ملال مین غش کھا کر گر پڑے یکایک ایک خیال نے تائید غیبی کا کام دیا۔ اس نے خیال کیا، حاتم علی یہان زندہ یا مردہ صورت مین موجود نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یا تو اسے کوئی اٹھائے گیا یا وہ خود چلا گیا زیادہ تر زندگی کی امید پائی جاتی ہے مردے کو کوئی نہین لے جاتا۔ اس واسطے گمان غالب ہے کہ کوئی دوست جان بچانے کی غرض سے اٹھائے گیا ہے اگر نصیبون مین ہے تو ایک نہ ایک روز ملاقات ہوگی۔
زندہ ہونے کا یقین کر کے دل کو تسکین ہوئی اور اب اس راز کا خیال آیا جو رقعہ مین تحریر تھا صوفیہ حقیقت مین محبت کرنے کے قابل ہے اس کی خوبیان آفتاب ہین جن کی پاک شعاعون نے میرے قصر کو جگمگا دیا ہے۔ حسن ظاہر، سیرت باطنی کا آئینہ ہے نسل بھی بری نہین نواب کلب حسین کی بیٹی ہے نہ معلوم نواب کلب حسین نے اس کی ولادت کو صیغہ راز مین کیون رکھا ہے یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب قربان حسین خان کی سمجھ مین نہ آیا وہ غور کرتا ہوا جس راستے سے آیا تھا ادھر سے جانا ممکن نہ تھا جا بجا انگریزی فوج جوش انتقام مین بلا امتیاز سن و سال ہندوستانیون کو بھیڑ بکریون کی طرح قتل کر رہی تھی قربان حسین گھنٹہ بیگ کی گڑھیا ہوتا ہوا واپس ہوا ایک مکان جو گولیون اور گولون کی ضربین کھا کر جا بجا سے گر گیا تھا اور صرف ایک شکستہ کوٹھری اینٹون کے ڈھیر مین بٹ کر مکان کی نشانی رہ گئی تھی اب بھی اپنی شکستہ حالت بہ لوگون کو متوجہ

کرنے کو کافی تھی۔ قربان حسین نے قریب ہی بندوقین سر ہونے کی آوازین سنین اور ایسا معلوم ہوا انگریزی فوج اسی طرف آرہی ہے، وہ جان بچانے کے قصد سے کوٹھری کی طرف بڑھا، لیکن اس کے اندر آدمیون کی آواز سنی گئی جس سے بیدھڑک کوٹھری مین داخل ہونا خلاف مصلحت تھا۔ وہ اینٹون کے ڈھیر کی آڑ لے کر کھڑا ہوگیا اور کان لگا کر سننے لگا۔"

آواز۔ "کیشو! تو بڑا ظالم اور ساتھ ہی بے حیا بھی ہے مین نے بار بار تجکو قابو مین لاکر آزاد کر دیا مگر تو نیکی کے صلے مین بدی ہی کرنا چاہتا ہے اب مجھے مرنے سے خوف نہین مگر دیکھ تو سہی میرا محسن زادہ کس نازک حالت مین مبتلا ہے؟ کم از کم اتنا وقت دے کہ اسے مکان پہنچا دون۔

کیشو سنگھ۔ تمھاری گرفتاری پر میری کامیابی منحصر ہے لیکن تم نے مجھے احسان جتا کر مجبور کیا کہ قرض حسنہ ادا کر دون، خیر، یہ بتاؤ اگر اس وقت تم کو چھوڑ دون تو کیا تمھارے احسانون سے سبکدوش ہو جاؤن گا؟"

آواز۔ بیشک کیونکہ مین اسکی جان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز خیال کرتا ہون اگر ہزار مرتبہ مر کے زندہ ہون تو اس ایک جان پر ہزار مرتبہ جان نثار کر دونگا۔"

- اچھا تم اس بار آزاد ہو، کہہ کر کیشو سنگھ کوٹھری سے نکل کر ایک طرف چلا گیا قربان حسین نے انداز گفتگو سے سمجھ لیا کہ حامد حسین حاتم علی کو مورچے سے نکال لایا ہنوز گھر نہ پہنچا تھا کہ کیشو رام نے آگھیرا اور اس کوٹھری مین وہی میرے پیارے بچہ کو لیے بیٹھا ہے، اولاد کی محبت نے جوش مارا وہ بیتابانہ دوڑ کر کوٹھری مین گھس گیا۔ حاتم علی آنکھین بند کیے فرش زمین پر پڑا تھا اور حامد حسین اس کے ہوش مین لانے کی تدبیرین کر رہا تھا۔

قربان حسین۔ بھائی! مین آپ کے اس احسان کا شکر نہین ادا کر سکتا۔ انشاءاللہ اطمینان حاصل ہونے پر مفصل گفتگو ہوگی اس وقت صرف اتنا کہنا ہے کہ مجھے ایک ایسا راز معلوم ہوا ہے۔ جس کی اب تک خبر نہ تھی اور مین اس راز کو معلوم کر کے ناخوش بھی نہین ہوا بلکہ پسند کرتا ہون دریافت کر کے یہ رقعہ آپ کے نام تھا۔ وقت و ضرورت کے لحاظ سے مین نے پڑھ لیا

حامد حسین طرز بیان سے پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا راز ہے جو اتفاقیہ قربان حسین پر ظاہر ہو گیا؟ رقعہ پڑھ کر خیال کی تصدیق ہو گئی از بسکہ وقت نازک تھا اور اتنا موقع نہ تھا جو اس مسئلے پر گفتگو کی جاتی، اس سے زیادہ فکر تو گھر پہونچنے اور حاتم علی کی جان بچانے کی تھی آخر دونوں نے مردے کی طرح حاتم علی کو اٹھایا اور کوٹھری سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

راہوں میں جا بجا لاشیں پڑی تھیں مردار خوار جانوروں کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا رہے تھے جب آدمیوں کے پاؤں کی چاپ سنتے تھے تو بھاگ جاتے تھے یہ دونوں لاشوں کو پھاندتے نانگھتے آگے بڑھ رہے تھے کہ کسی کے بھاگے آنے کی چاپ محسوس ہوئی نہ معلوم کون ہو؟ اس خیال سے دونوں حاتم علی کو لے کر ایک دوکان میں چھپ گئے، سامنے سے وہی لڑکا بھاگتا ہوا آرہا تھا جس نے قربان حسین خاں کو حاتم علی کا رقعہ دیا تھا ہنوز وہ قریب نہ آیا تھا کہ سامنے سے کچھ یوروپین عورتیں بدحواس حیران پریشان آگئیں ان کے عقب میں چند ہندوستانی لٹیرے تھے جو گرفتار کر کے لے جانا چاہتے تھے عورتوں کی پریشان صورتیں دیکھ کر قربان حسین اور کلب حسین کی غیرت نے منظور نہ کیا کہ انھیں بزدلوں کے وحشیانہ حملوں کا شکار بننے دیں وہ دونوں حاتم علی کو دوکان میں چھوڑ کر باہر نکلے اور بندوقیں تان تان کر بے رحم لٹیروں سے مقابل ہو گئے۔ پہلے تو انھوں نے بھی مقابلہ کرنا چاہا مگر دو تین جانوں کا نقصان اٹھا لینے کے بعد یقین ہو گیا کہ نشانہ بازی میں حریف مقابل سے بیش یا نادشوار ہے لہذا عورتوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ انھیں لٹیروں کی ایک گولی نے غریب لڑکے کا کام تمام کر دیا جو جھکا ہوا ایک لاش کی جیب ٹٹول رہا تھا۔

اس واقعہ سے قربان حسین کو افسوس ہوا، مگر جو دوسروں کا مال تاکتا ہے اکثر اپنی جان ضایع کرتا ہے، نہ معلوم کتنے مردوں کی کمریں کاٹ کاٹ کر اس سرمایہ جمع کیا ہوگا۔ لیکن وہ مال کام نہ آیا بالآخر اسے بھی مردوں کے پہلو میں سو جانا پڑا۔

قربان خاں اور حامد حسین دونوں دوکان میں آئے اور حاتم علی کو اٹھا کر

انگریزون کو ساتھ لیے ہوے گھر آے۔ راہ مین کئی کئی بار انھین تھوڑی دیر کے واسطے مخفی مقامون پر چھپنا پڑا، کبھی انگریزی فوج اور کبھی ہندوستانی سپاہیون کا سامنا ہوا، مگر ہر مرتبہ خدا نے بال بال بچایا اور وہ لوگ سب کی نظرون سے بچے ہوے گھر پہنچ گئے۔"

مستورات کو علیحدہ مکان مین بہ عافیت و اطمینان رکھا اور حاتم علی کا علاج شروع کیا جس سے اس کی صحت یوماً فیوماً عود کرنے لگی۔"

چودھوان باب

انشاے راز

غدر کا پر آشوب زمانہ گذر گیا۔ انگریزون نے ملک پر اقتدار و تسلط جما لیا۔ باغیون کو عالم باغ، عیش باغ اور شہر کے مختلف حصون اور مقامات پر پھانسیان دی گئین، امن و امان کی ڈگی پٹی اور بھاگے ہوے لوگ لٹے پٹے گھرون کو واپس آنے لگے۔

قربان حسین خان اور حامد حسین خان نے جن عورتون کو پناہ دی تھی وہ معمولی درجے کی نہ تھین، انگریزی فوج کے افسرون کی بھو بیٹیان تھین، امن قایم ہونے کے بعد جب وہ اپنے مردون کے پاس زندہ و سلامت پہنچین اور اپنے محافظون کی تعریف و توصیف مین گل فشان ہوئین تو ان کے مردون نے نواب قربان حسین خان کے یہان آکر ملاقات کی اور ان کی شریفانہ ہمدردی کا تہہ دل سے شکر ادا کیا، ساتھ ہی ان کا اعزاز و اکرام بقدر مناسب کیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے خطابات و خلعت کے علاوہ جاگیرات بھی دلوائین

یہ وقت قربان حسین کی کارگذاری کا تھا انھون نے حکام سے مل ملا کر کلب حسین خان کی سرگذشت دوہرائی اور نہایت موثر پیرایہ مین سفارش کی

جس کا خوش گوار نتیجہ یون ظاہر ہوا کہ کچھ مدت کی سعی مین سرکار انگریزی نے ان کی ضبط شدہ جاگیر پھر واگذار کر دی۔ افسوس اس سے فائدہ اٹھانا حامد حسین کی تقدیر مین نہ تھا کیونکہ جس روز نواب قربان حسین خان کی دولت سرا مین اس کے سویم کی مجلس منعقد تھی، اس دن جاگیر واگذاشت ہونے کا پروانہ بصول ہوا! جس کا ذکر آگے آئے گا"

حاتم علی کو صحت ہو گئی اور وہ تندرست و توانا ہو کر بستر علالت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ران کا زخم تو مندمل ہو کر اچھا ہو گیا اور اب بجز خفیف سے نشان کے کوئی سلامت گولی لگنے کی باقی نہین البتہ دل کا گھاؤ کچھ اور گہرا ہو گیا! جس کا درد اور سوزش نہ راتون کو سونے کی اجازت دیتی ہے نہ دن کو ایک لمحہ کے لیے قرار آتا ہے۔ تمام محبوب اشغال ترک ہو چکے تھے نہ دوستون کی صحبت خوش آتی تھی نہ سیر و شکار مین لطف آتا تھا۔ اخلاقاً آنے والون سے بات چیت کرتا تھا مگر منھ سے نکلنے والے الفاظ مرثیہ ہوتے تھے جو سامع کو متاثر کیے بغیر نہ رہتے"

اس کی افسردگیان قربان حسین خان اور حامد حسین خان سے پوشیدہ نہ تھین دونون کی آنکھین تغیر کو ملاحظہ کر رہی تھین وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا گل سرسبد باد سموم کی شعلہ سامانیون کے اثر سے مرجھا رہا ہے، مگر وقت و مصلحت خاموش کیے تھی آخر کب تک صبر کرتا ایک روز قربان حسین نے حامد حسین سے کہا"

"آپ دیکھتے ہین؟ آپ کا برادر زادہ سوز الم سے بخار کے مانند جل رہا ہے آپ کے پاس علاج ہے، نہین معلوم کیون آپ کی توجہ اس طرف نہین پھرتی!
حامد حسین۔ (تھوڑے سکوت کے بعد) آپ کا خیال ایک حد تک درست ہے، مجھے ان باتون کا علم ہے، حاتم علی کی غم گینی پر میرا دل بھی خون ہو رہا ہے مگر آپ کے احسانات اجازت نہین دیتے کہ کمخواب مین ٹاٹ کا پیوند لگا دون"
قربان حسین۔ یہ کیا فرمایا؟"
حامد حسین۔ یہ راز ہے جو اب تک دل سے زبان تک نہین آیا

قربان حسین "کیا اب بھی افشائے راز کا وقت نہیں آیا۔
حامد حسین۔ واقعات اہمیت اختیار کرتے جاتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے،
آپ کو اس راز سے آگاہ کر دیا جائے اس کے بعد آپ جو مناسب خیال فرمائیں
"کریں" میں موردِ الزام نہیں ہو سکتا۔"
قربان حسین۔ اگر وقت آگیا ہے تو ارشاد ہو، میں ہمہ تن گوش شوق ہوں۔
حامد حسین۔ صوفیہ فی الحقیقت میری لڑکی نہیں۔"
قربان حسین "ہیں! یہ کیا۔"
حامد حسین۔ واقعہ یہ ہے، جب میں کانپور میں مقیم تھا تو ایک غریب دیہاتی
سے ملا۔ وہ شریف تھا، مملکت ایران کا باشندہ۔ اس کی نسل میں کبھی کوئی خرابی
نہیں آئی حتے کہ ہندوستان کے قیام میں صدیاں گذر گئیں۔ ولایت ایران سے
آنے والی جماعتوں نے ہندوستان میں کافی عروج و اقتدار حاصل کیا۔ لیکن
اس بدنصیب خاندان کے ممبروں نے صرف چند سال کے واسطے منصب سہ
ہزاری پایا۔ اس کے بعد سے جو ادبار شروع ہوا تو تا ایندم افلاس کی گھٹائیں
نہ چھٹیں۔ تاہم ان کا غرور نسبی ان سے جدا نہیں ہوا اور وہ دیہاتیوں پر ہمیشہ
فخر کیا کیے جس کا انجام یہ ہوا کہ ان کے ہم قریہ حسد کرنے لگے۔ آخری وقت
میں اس کے (نور اللہ) بیٹے نے ایک ہندو عورت سے شادی کر لی اور
یہ لڑکی پیدا ہوئی ولادت کے بعد ہی عورت مر گئی، نور اللہ کے بیٹے نے اپنی
نور نظر کو وہیں ایک چرواہے کے سپرد کیا کہ اس کی پرورش کرے شائد
دو برس بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا مرتے وقت اس نے اپنے باپ (نور اللہ)
کو اس راز سے آگاہ کیا اور وصیت کر گیا کہ لڑکی کی پرورش اچھی طرح ہو۔
نور اللہ نے مرتے وقت مجھ سے صرف اسی قدر بیان کر کے لڑکی کی تعلیم و تربیت
اور پرورش کی خواہش کی، اس وقت سے یہ میرے پاس ہے یہ باتیں معلوم
کرنے کے بعد اگر آپ اپنی بہو بنانا چاہیں تو مجھے عذر نہیں چونکہ لڑکی شریف
الطبع اور غیور ہے اس لیے میں نے اسے بھی اس راز سے آگاہ نہیں کیا وہ اپنی
سادگی سے مجھ بدبخت کو اپنا باپ سمجھتی ہے اس کے اطوار و عادات

متعلق کچھ کہنا نہیں، آپ خود ہی واقف ہیں البتہ یہ راز نہ کہہ کر شادی کر دیتا تو غدار ٹھہراتا اور غداری کرنا منظور نہیں ہے۔"

قربان حسین خان فکر میں مبتلا ہو گیا۔ مخفی نور اللہ کے بیان کو کسی طرح صحیح نہیں مانا جا سکتا جب تک اس کی شرافت خاندانی کی دلیل نہ ہو۔ وہ شریف النسل سہی مگر صوفیہ کی والدہ نہ جانے کس خاندان اور کس قوم کی لڑکی تھی؟ دیر تک غور کرتا رہا کبھی بیٹے کی محبت میں نکاح کرنے پر آمادہ ہو جاتا کبھی شکوک نسبی خاندان میں دھبا لگانے سے مانع ہوتے ؟"

جس وقت وہ فکروں میں مبتلا تھا، ایک نوخیز لڑکی بے تکلفی سے کمرے میں داخل ہوئی، یہ لڑکی دیر سے دروازے پر کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھی اسے دیکھ کر نواب قربان حسین خان کو غصہ آگیا اور تیور بدل کر کہا:

نصیبن! تو یہاں بے اذن طلب کیے کیوں چلی آئی؟ کیا معلوم نہ تھا کہ میں اپنے کسی ملازم کا اس وقت آنا پسند نہیں کرتا جب باتوں میں مصروف ہوں؟"

نصیبن "کانپ کر" میں نہ آتی مگر چلی آئی! آپ جو باتیں کر رہے تھے، میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر سنیں، اور انھیں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اگر اس وقت مجھ سے راز معلوم نہ کیا جائے گا، تو پھر قیامت تک ان باتوں پر پردہ پڑا رہے گا؟

لڑکی کے چہرے سے وحشیانہ جوش نمایاں تھا، آنکھیں سرخ ہو کر ابل آئی تھیں اور سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔

قربان حسین۔ "کچھ سوچ کر اچھا کہہ کیا کہنا چاہتی ہے میں تجکو اجازت دیتا ہوں لیکن سن لینے کے بعد اس گستاخی کی سزا بھی ضرور دوں گا جو دروازے کی آڑ سے میری باتیں سننے میں ظاہر ہوئی ہے۔"

نصیبن "کچھ ہرج نہیں،" مجھے صوفیہ کی نسبت عرض کرنا ہے۔ میری ماں نے مجھے بہت سی چھپی ہوئی باتیں بتائی ہیں۔ صوفیہ نے اپنے بچپن کا بہت سا زمانہ میری جھونپڑی میں گزارا ہے اب سے تیئیس[۲۳] چوبیس[۲۴] برس پہلے میری جھونپڑی میں ایک نوجوان ہندو عورت آئی اور مدد طلب کی، اس کا نام جودھا تھا وہ

راجہ مان سنگھ کی بیٹی تھی پوجہ کرتے وقت مندر سے چند ڈاکو پکڑ لائے تھے انھون نے اس کا پیش بہا زیور لوٹ لیا تھا اور عصمت دری کے درپے تھے مگر وہ کسی طرح اپنی جان و آبرو بچا کر نکل بھاگی۔ میری مان نے اس خیال سے کہ جب وہ اپنے باپ کے وہان جائے گی تو میری سفارش کر کے بہت سا روپیہ دلوائے گی اپنے یہان رکھ لیا جودھا بائی روزانہ جھونپڑی سے نکل کر جنگل مین لکڑیان توڑا کرتی تھی۔ ایک روز جنگل مین رات ہو گئی۔ سوئے اتفاق سے وہ جھونپڑی کا رستہ بھول کر کسی دوسری طرف نکل گئی اور بھیڑیے کا سامنا ہوا۔ قریب تھا بھیڑیا اسے پھاڑ دالے کہ ایک شریف مسلمان نے تلوار سے بھیڑیے کو مار کر اس کی جان بچائی۔ پھر پتہ دریافت کر کے میرے یہان پہنچا گیا۔ اس روز سے وہ گاہ بگاہ آکر جودھا سے ملا کرتا تھا۔ یونہین چند مہینے گذر گئے اور اب میری مان کو جودھا کا رہنا بار گزرنے لگا۔ کیونکہ جودھا نے اپنے باپ کے گھر واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا اتنی رسوائیون کے بعد کیا منہ لے کر اپنے والدین سے ملے۔ اول تو وہ خود رکھنا گوارا نہ کرین گے بالفرض رکھ لیا تو وہ اس بے عزتی کو کیون کر گوارا کر سکتی ہے جب میری مان کو یقین ہو گیا کہ جودھا سے منفعت کی امید بے کار ہے تو وہ سختی کا برتاؤ کرنے لگی جودھا بہت خوبصورت تھی۔ اس کے حسن پر وہ نوجوان جس کا نام امیر اللہ تھا ریجھ گیا اور شادی کا پیام دیا۔ جودھا پہلے راضی نہ تھی، لیکن میری مان کی سختیون سے مجبور ہو کر راضی ہو گئی امیر اللہ نے اسے مسلمان کر کے نکاح کر لیا اسی سال صوفیہ پیدا ہوئی اور جودھا مر گئی۔ امیر اللہ نے صوفیہ کو میری مان کے حوالے کیا اور ایک تانبے کا تعویذ یہ کہکر دیا کہ جب صوفیہ جوان ہو جائے تو اسے دیدینا اور کہدینا کہ اس مین تمھارے خاندان کا نسب نامہ ہے۔" سنتی ہون امیر اللہ بھی مر گیا اور اس کا باپ نور اللہ صوفیہ کی پرورش کے واسطے کچھ دیا کیا۔ کچھ روز بعد وہ بھی مر گیا اور حامد حسین صوفیہ کو اپنے ساتھ لے آیا یہ صوفیہ کا قصہ ہے، جس کی گواہ خود مین ہون مجھے یہ راز افشا کرنا نہ تھا مگر مین مایوس کر دی گئی اور اب مرنے سوا کوئی چارہ نہین۔ اس وقت مین بنا

خونی ارادہ پورا کرنے نکلی تھی۔ آپ کو اور حامد حسین کو دیکھ کر سوچی، چھپ کر سنوں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ میں نے قرائن سے معلوم کر لیا تھا کہ میری یا صوفیہ کی نسبت گفتگو ہو گی۔ میرا خیال صحیح اترا، آپ کی متفکر صورت دیکھ کر خود بخود میرا دل چاہا کہ رازوں کے چہرے سے نقاب ہٹا کر آپ کو مطمئن کر دوں اس لیے یہ باتیں کہہ دیں۔ مجھے حاتم علی سے محبت تھی چاہتی تھی وہ مجھے قبول کر لیں۔ اکثر امیرزادوں نے مجھ ایسی عورتوں کو گھر میں ڈال لیا ہے، لیکن حاتم علی نے میری التجائیں رد کر دیں اور اپنے گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ جب تک ان کو میرے دل کا راز معلوم نہ تھا۔ میرا ٹھکانا اس گھر میں تھا، چونکہ وہ میری نیت سے واقف ہو گئے ہیں اس لیے ضرور علیحدہ کر دی جاؤں گی یہ خیال جان دینے کا محرک ہے۔"

لڑکی نے تانبے کا تعویذ نکال کر قربان حسین کے سامنے پھینک دیا اور خود دیوانہ وار کمرے سے نکل چلی گئی اس کے دوسرے روز دریائے گومتی کے کنارے پانی پر ایک عورت کی لاش پائی گئی جس کے جسم سے جابجا گوشت ندارد تھا غالباً آبی جانوروں نے کھا لیا تھا۔ وہ لاش اسی بدنصیب چھوکری نصیبن کی تھی۔"

اس تقریر نے قربان حسین خان اور حامد حسین خان کو متعجب کر دیا۔ نصیبن ان کے سامنے کمرے سے نکل کر چلی گئی اور انھیں خبر نہ ہوئی دونوں بت کی طرح مبہوت بنے بیٹھے تھے۔ صرف سانس کے آنے جانے سے ان کے سینوں میں جو خفیف سی حرکت پائی جاتی تھی حقیقت میں وہی ان دونوں کے زندہ ہونے کا ثبوت تھی۔"

بڑی دیر بعد گم شدہ حواس واپس ہوئے تانبے کے تعویذ قربان حسین کے آگے بجنسہ اسی طرح پڑا تھا جیسے نصیبن پھینک گئی تھی۔ اس نے تعویذ کو ہاتھ میں لے کر اشتیاق انگیز نظروں سے دیکھا، کاش! وہ جانتا ہوتا یہ ننھا سا بے حقیقت تعویذ کتنے بڑے راز کا حامل ہے۔"

[illegible] کھولا تو اندر سے جھلی تعویذ نکالا گیا ہرن کی جھلی پر قلم [illegible] کا تجربہ اس صورت میں تحریر تھا۔ مرزا امین ولد مرزا نصیر

سبزوار سے ہندوستان روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کا چھوٹا بھائی مرزا سعید بھی تھا۔ جو راستے میں گم ہو گیا اور خیال کیا گیا کہ اسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا مرزا امین ہندوستان پہونچ کر منصب سہ ہزاری پر چند روز کے واسطے سرفراز ہوئے۔ پھر عتاب شاہی نے منصب سے خارج کر دیا اور وہ کانپور کے قریب کھیتی کرنے لگے۔ ان کے بعد ان کا بیٹا مرزا مقیم پھر مرزا مقیم کا بیٹا مرزا ابو الحسن پھر ان کا بیٹا ابو الفیض پھر ابو الفخر اور اس کے بعد نور اللہ کا زمانہ آیا ان میں سے کسی کو عروج حاصل نہ ہوا نور اللہ کا بیٹا امیر اللہ تھا جس نے خفیہ طریقے سے راجہ مان سنگھ کی مصیبت زدہ بیٹی جودھا بائی سے شادی کی اس سے ایک لڑکی صوفیہ پیدا ہوئی ؎

مختصر سی عبارت پڑھتے ہی نواب قربان حسین خان نے آہ کا نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گیا۔ حامد حسین کسی قدر خائف ہو گیا غش آنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی اگرچہ وہ وقت غور کرنے کا نہ تھا، پھر بھی ہوش میں لانے کی تدبیروں کے ساتھ ہی اس عقدے کو حل کرنے کی فکروں میں منہمک تھا بڑی دیر کے بعد قربان حسین نے آنکھیں کھولیں۔ ان سے حزن و ملال نمایاں تھا ؎

حامد حسین۔ حضور کا مزاج کیسا ہے؟ آپ تو ؎

قربان حسین۔ بات کاٹ کر، بھائی کلب حسین! آپ نہیں جانتے کس راز کے چہرے سے نقاب اٹھی ہے، آہ! میں نہایت بدبخت ہوں۔ میرے مصیبت زدہ بھائی خاص الخاص میرے علاقہ میں عسرت و فاقہ کشی کی زندگی بسر کیا کیے اور مجھے اطلاع نہ ہوئی میری پیاری صوفیہ میری بھتیجی ہے۔ سبزوار سے مرزا امین اپنے بھائی مرزا سعید کو لے کر چلے تھے ایک پہاڑی پر رات کو قیام ہوا، وہاں شیر لگو تھا شب کے وقت وہ مرزا سعید کو اٹھا لے گیا، اتفاق سے چند بدوؤں کی نظر پڑ گئی۔ انھوں نے شیر کو مار کر مرزا سعید کو بچا لیا۔ مرزا سعید دیر تک ان میں رہے پھر ہندوستان آئے۔ غالباً یہی زمانہ ہو گا جب مرزا امین معطل ہو کر کانپور چلے آئے مرزا سعید نے ان کا بہت پتا لگایا مگر کوئی حال معلوم نہ کر سکے تھے روز تک بے کار رہے پھر منصب ملا اور دو ہزاری ...

خدمت انجام دیتے رہے۔ مرزا سعید کے بعد ان کے بیٹے مرزا ارشد آبائی منصب پر سربلند کیے گئے اس کے بعد مرزا فرید کو منصب ملا پھر مرزا قایم ممتاز کیے گئے اسی زمانے میں مرزا امین صوبہ اودھ کے نواب بنا کر بھیجے گئے ان کے ساتھ مرزا قایم کے بیٹے مرزا قاسم قلی اودھ چلے آئے اور یہیں رہ گئے قاسم علی کے بعد میرے والد ہاشم حسین جاگیر کے مالک ومختار ہوے ان کے بعد میں اور میرا جانشین حاتم علی ہے۔ افسوس یہ راز ایسے وقت میں ظاہر ہوا جب ان لوگوں میں صوفیہ کے سوا کوئی زندہ نہیں۔ ان کی قبریں بھی زمانے نے مٹا دیں ورنہ ان پر مقبرے تعمیر کرا کے اپنی ارادت مندی کا ثبوت دیتا "

پندرھواں باب

شادی مرگ

شہر میں ہر طرف امن وامان قایم ہو چکا تھا، بازاروں میں پھر سابق سی رونق اور چہل پہل نظر آتی تھی۔ چوک میں بانکے ترچھے جوان اپنے کس بل پر اینٹھتے پھرتے تھے غدر کا نامسعود اثر اگرچہ مفقود نہ ہوا تھا لیکن پھر بھی صدہا قلوب گذشتہ صعبتوں کو فراموش کر چکے تھے "

صوفیہ اب بھی نواب قربان حسین خان کی حرم سرا میں تھی، لیکن پہلے نواب کلب حسین کی دختر خیال کی جاتی تھی اور اب نواب قربان حسین کی بھتیجی اور مٹے ہوے خاندان کی جیتی جاگتی نشانی سمجھی گئی تھی۔ پہلے حاتم علی کی زوجیت کے لیے اس کا انتخاب کھٹکتا تھا اور اب اس سے زیادہ موزوں کوئی نہ تھا، نہ معلوم کیوں ؟ نواب قربان حسین خان کو خود اس بیاہ کی عجلت تھی۔ چاہتا تھا کل کا نکاح ہوتا آج ہی ہو جائے! اس تعجیل کا نتیجہ تھا کہ اس نے کلب حسین خان کو مجبور کر کے نکاح کا دن تاریخ تجویز کر لیا اور شرفائے شہر کے ہاں

جا جا کر انھیں مدعو بھی کر دیا۔"

رفتہ رفتہ وہ مبارک گھڑی آگئی جب طالب و مطلوب شرعی کڑیوں کے ذریعہ سے ہمیشہ کے واسطے ایک دوسرے سے وابستہ کر دیئے جائیں گے۔

نواب ہمایوں جاہ نے حاتم علی کو بیاہا تھا برات کے کل مصارف اپنے خزانے سے ادا کیے اور نہایت دھوم دھڑکے سے کل رسوم ادا کیے۔ قربان حسین خاں بیٹی والے نے سامان جہیز ان کی سرکار سے دیا گیا۔ شادی کا کروفر باعث طوالت ہم یوں سمجھنا چاہیئے ویسی امرا جس پیمانے پر بیٹا بیٹی بیاہتے ہیں اور ان مواقع پر جیسی اولوالعزمیاں دکھاتے ہیں وہی سامان اس شادی میں بھی موجود تھا کہتے ہیں شادی کے بعد بھی عرصہ تک عوام کی زبانوں پر چرچے رہے کہنے والوں نے تو یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ محمد شاہ رنگیلے نے جس طرح نواب بہو بیگم صاحبہ کو شجاع الدولہ کے ساتھ بیاہنے میں سیر چشمی اور دریا دلی دکھائی تھی اس سے کسی قدر زیادہ اس شادی میں جو سلسلے سے کام لیا گیا لاکھوں روپیہ دولہا دلہن کے سر پر نچھاور کر کے محتاجوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ ہفتوں جہیز کا سامان آیا کیا۔

بہر طور شادی جیسی بھی ہوئی ہو۔ ہندی رواج کی رو سے خوب ہوئی چوتھی کی صبح کو جب گھر میں بتڑے الاپے جا رہے تھے ایک واقعہ نے ساری خوشیوں کو دبا کر رکھ دیا۔ یعنی کلب حسنین خاں اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا! اس کے تکیے کے نیچے ایک لفافہ نکلا جس پر نواب قربان حسین خاں کا نام تحریر تھا۔

اس موت سے سارے محل میں کہرام مچ گیا شادی کا گھر سچ مچ ماتم کدہ نظر آنے لگا عورتیں سر و سینہ پیٹ پیٹ کر بین کر رہی تھیں حقیقت میں کلب حسین خاں نے اپنی زندگی جس طرح بسر کی وہ انھیں امور کی مقتضی تھی۔ وہ کسی سے برا نہ تھا نہ کبھی اس نے کسی کے دل دکھانے کی کوشش کی ہمیشہ دوسروں کے فائدوں کو اپنے نفع پر ترجیح دی اور ان کی بھلائی پر کمربستہ رہا مظلوم سے ہمدردی اس کا فرض اولین تھا چھوٹوں بڑوں غریبوں امیروں پر اس کا لطف عام تھا اس طرح کے صدہا اوصاف اس کی ذات میں جمع ہو گئے تھے جن کی بدولت اس کو ہر دل عزیزی حاصل تھی۔ اس کے بعد دوست دشمن نے یکساں آلم کیا اور سب خدا کی

درگاہ میں اس کی مغفرت کی دعائیں کرنے لگے۔
جس طرح امیروں کی میتیں اٹھتی ہیں، نواب کلب حسین کی لاش بھی اسی طرح اٹھائی گئی۔ شہر کے اکثر شرفا اور رئیس شریک تھے علما کے طبقے میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے میت کو کاندھا نہ دیا ہو۔
لاش دفن کر دی گئی ایک روز درمیان دے کر پھولوں کی مجلس ہوئی۔
مسلمانوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے مجلس میں شریک ہو کر پارہ نہ پڑھا۔ ادھر تو ذاکر منبر پر ذکر مصائب کر رہا تھا۔ ادھر سرکار انگریزی سے علاقہ واگذار ہونے کا پروانہ آیا یہ ایسا عبرت انگیز واقعہ تھا کہ ساری آنکھیں غمناک ہو گئیں سوگوار تا دیر گریہ کرتے رہے۔ ذاکر نے کلام ختم کیا اہل مجلس مضطر و مغموم گھر واپس ہوئے اور نواب قربان حسین نے محل میں جا کر صوفیہ اور حاتم علی کے سامنے لفافہ کھول کر اس کا مضمون پڑھنا شروع کیا۔ تحریر تھا کہ

اقرار گناہ

مجھے اپنی ریاست کے متعلق کہنا نہیں جس طرح آفتاب روشن ہے میری ریاست و امارت ظاہر ہے اس کے چھننے کی اسباب و علل مختصر بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ عظیم اللہ نامی نصیبے کی تیزی سے بادشاہ کا معتمد خاص ہو گیا، جو ایک زمانے میں میرے یہاں منشیوں کی خدمت پر مامور تھا۔ میں نے دربار میں اس کا ادب ملحوظ نہ رکھا، جس سے برداشتہ خاطر ہو کر اس نے بادشاہ کے کان بھرنا شروع کیے اس کی خوشامد میں چند اور لوگ بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ میں نے حقیر سمجھ کر ان کی سازشوں کا خیال نہ کیا رفتہ رفتہ بادشاہ کا مزاج بدلا اور انجام وہی ہوا جو بعد میں دیکھا گیا میں نے دو برس بعد جیل کے دروازے کی سلاخیں توڑ کر اپنے آپ کو آزاد کر لیا اور بھٹکتا ہوا نواب ہمایوں جاہ کے باغ پہنچا انھوں نے نہایت مہربانی کی کپڑے دیے کھانا کھلایا اور اپنا مہمان بنایا۔ شب کو میرے دل میں خبیث خیال پیدا ہوا۔ نفس نے دھوکا دیا اور میں نے

چوری کی۔ صبح گرفتار ہوا لیکن نواب نے شرافت کو دخل دے کر مجھے چوری کی علت سے بچا لیا۔ میرے دل پر ان کے نیک سلوک نے سخت اثر کیا اور میں نے عہد کر لیا کہ بقیہ عمر نیکی میں بسر کر کے اس جرم کی تلافی کرونگا خدا کا شکر ہے کہ میرا قصد پورا ہوا۔ چونکہ اب دنیا کو میری ضرورت باقی نہیں قدرت کو جس قدر کام میرے ہاتھوں انجام دینا تھے پورے ہو چکے لہذا میں اپنے تمام دوستوں، محبوں اور شناساؤں سے رخصت ہوتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ میری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں مجھے معلوم ہے کہ میری ریاست واگذار ہونے والی ہے لہذا وصیت کرتا ہوں جس وقت پروانہ آئے اسی وقت دلہن کو منھ دکھائی دیدیا جائے خدا رکھے حاتم علی کو ضرورت نہیں لیکن میری خواہش یہ ہے کہ نصف حصے پر اس کا قبضہ رہے آخر میں دولہا دلہن کو پھولنے پھلنے کی دعا دیتے ہوئے دنیا کو چھوڑتا ہوں ۔

(کلب حسین عرف صادق حسین)

قربان حسین خاں نے رومال سے آنسو پاک کر کے پروانہ واگذاری حاتم علی اور صوفیہ کی طرف بڑھا دیا (حاتم علی تو مرد تھا) مگر صوفیہ کی ہچکی بندھی ہوئی تھی ہر وقت لوگوں نے سمجھا بجھا کر پانی پلایا اور منھ دھلایا جس سے رونا کم ہوا اس کے بعد سے جب تک زندہ رہی ہمیشہ کلب حسین خاں کی ممنون احسان رہی اور اس کے واسطے دعائے خیر کرتی رہی ۔

تمام شد

اصلی کوک شاستر

یہ وہ کوک شاستر نہین ہے جو آجکل ہر ایک کتب فروش سے مل سکتی ہے
بلکہ یہ وزیر کشمیر کو کا پنڈت کے خاص الخاص بیاض کی پرانی کوک شاستر
کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔ جسکی ابتک عام لوگون کو تو کیا بڑے
بڑے رؤسا کو بھی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اسی مین
وہ تمام باتین درج ہین جن کے جاننے کے لئے آپ سیکڑون
روپیہ برباد کر چکے ہین اور پھر بھی مطلب حاصل نہین ہوا۔
یہ کتاب سوائے ہمارے دوسری جگہ ہرگز نہین مل سکتی۔
اس کتاب مین صدہا مفید اور ٹھوس مطلب کی باتین درج ہین
عورت و مرد کے متعلق ہزارہا سینہ بسینہ راز اور خاص
حالتون کی . . . . عورت و مرد کی اکٹھی برہنہ دستی تصویرین
۴۰۰۰ بہترین آسن کا بیان۔ طبی۔ مذہبی اور علمی اصول بھی
درج ہین بعد مین شکایت نہ کرین خفیہ دھڑا دھڑ بک رہی ہین
آج ہی منگا کر حسرت پوری کیجئے ورنہ ممکن ہے کہ پھر اسکی ایک
جلد بھی باقی نہ رہے اور پھر آپ کو سوائے افسوس کے کوئی
چارہ نہ رہیگا۔
خبردار دیکھئے غفلت مین نہ رہیے گا۔

قیمت فی جلد عہ محصول ۴

منگانیکا پتہ

منیجر کارخانہ حکمی شفا لکھنؤ

ہنسی کا پٹارہ

یعنی ہنسنے ہنسانیکا زبردست عملدرآمد۔

اقلیم مذاق کا بیمثل تاجدار ہنسی دلگی کا قافلہ سالار پڑھنے والون کو بات بات مین لوٹن کبوتر بنا دینے والا۔ جسکے چٹ پٹے مضامین تمام کھایا پیا ہضم کر دیتے ہے صرف ایک کارڈ دھر گھسیٹئے تاکہ جلد سے جلد اور فوراً سے پیشتر حاضر ہوکر آپکے اضمحلال کی دُم کاٹ دے۔ بیشک اس کتاب کو اگر بارہ مصالحہ کی چاٹ کہا جائے تو بیجا ہوگا۔ اول سے آخر تک دیکھ جایئے ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملے گا جسکو پڑھکر سو مرتبہ ہنسی نہ آوے گا یون سمجھئے کہ یہ کتاب ایک بزم عشرت ہے قیمت صرف ۶

خونی لڑکا

اس ہیبت ناک نام کی زبردست عظمت پر پورے طریق سے اوسی وقت روشنی پڑ سکتی ہے جبوقت اس ناول کو آپ پڑہین۔ ایک معلم مکتبی کو انسانون اور دیگر اقوام کے لڑکون کے پڑہانے سے ایک لازوال دولت ملجاتی ہے اور بچون کی شرارت زندگی کی کتاب مین ایک ایسا حیرت ناک باب لکھدیتی اور اتنا عجیب وغریب سین دکھاتی ہے جسکا ایسے معمولی آدمی کو خواب مین بھی خیال نہین ہوسکتا راز نہ چھپانے کی خرابی ناعاقبت اندیش بیوقوف کم حوصلہ۔ زود رنج بیوی تک اس گھر کے راز کو پہنچا دیتی ہے اور عورتون کی کمزور فطرت ایک مصیبت کا دروازہ [illegible] کر دیتے واقعات اور آفات پیش کر دیتی ہے مفصل واقعات کیلئے دو چار صفحے بھی کم ہین ملاحظہ فرمائے قیمت ۸

منگانیکا پتہ عظمت بکڈپو لکھنؤ

بدنصیب لڑکی

یہ ناول ایک شریف خاندان کی تعلیم یافتہ ہوشیار اور حسین لڑکی کی تباہ شدہ زندگی کا مکمل فوٹو ہے جسمین بے پردگی کے نقصان تعلیم غیر ضروری کی خرابیان دکھائی گئی ہین۔ ایک شریف لڑکی کا بیوہ ہوکر ماں باپ کے سخت گیر قوانین عصمت سے تنگ آکر گھر کو چھوڑنا اور متواتر مصیبتین اٹھانا قیمت ۸ر

نواب باسلیقہ

نوابی دربار کے نوابی ٹھاٹھ۔ خوشامدی مفت خورون کا ہجوم۔ بھولے نواب کی اکڑ فون اور ہجو من دیگرے نیست کی صدائے بے ہنگام۔ دل کا ایک معشوقہ نمکین کے چاہ ذقن مین اسیر ستم ہوکر۔ نہ اپنی بلکہ اپنے دادا کی جمع کی ہوئی دولت اور باپ کی گاڑھی کمائی کو چٹکیوں مین اڑاکر بیباق ہو جاتے ہین اور بالکل اس کے مصداق بنتے ہین۔

ڈاڑھی اور مونچھ کا صفایا ہے — فارغ البال اسکو کہتے ہین

یہ ناول نہین ہے بلکہ ناول گر ہے۔ ہندوستان کے بہترین ظرافت نگار سجاد حسین۔ عالمگیر کے مشہور مسخرے وقایع نویس نعمت خان عالی کا رنگ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے اگر اسکو پڑھکر ایک ہزار مرتبہ نہ ہنسئے تو ۸ر قیمت کے ۹ مع نفع سود واپس کر دیے جائینگے

دام فریب

مکر و فریب کی دنیا کا زرنگار دل خوش کن عبرت آمیز حیرت انگیز مرقع طاہرہ کی زندگی کے حیرتناک زندان کا انکشاف زنان بازاری کے فریب اور دغا کے کارنامے ہر فرعونے را موسیٰ۔ یا جیسے کو تیسا ملتا ظاہر کر عاشق نورالدین کی بعید از عقل دور از قیاس عیاریان طاہرہ کی سخت ترین شکست موت کا ایک سنسنی خیز منظر دکھا کر ثابت کیا گیا ہے کہ نیک و بد تمام کامون کی سزا دنیا ہی مین ملجاتی ہے ہم یقین کیساتھ کہسکتے ہین کہ ایسے عجیب ناول بہت کم آپنے دیکھے ہونگے قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ عظمت بکڈپو لکھنؤ

لکھنؤ کا بہترین عطر و تنباکو

اگر آپ کو منگانا ہو تو سب سے پہلے کارخانہ روح شمیم لکھنؤ کو یاد فرمائیے جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ بڑے بڑے نواب راجہ رئیس اور شوقین اصحاب نیز بیوپاری خصوصاً تعلقداران اودھ سیکڑوں روپیہ کا مال اسی کارخانہ سے منگاتے ہیں جو صاحب ایک بار بھی آزمائش کے طور پر کسی چیز کا آرڈر دیتے ہیں تو وہ ہمارے مستقل خریدار بنجاتے ہیں۔ ہمارا دعوی ہے کہ جو مال آپ لکھنؤ آکر خریدینگے وہی مال کم از کم ۱/ اور بعض حالتوں میں ۲/ فی روپیہ کم پر آپ کو گھر بیٹھے ہم پہونچا دینگے۔ اگر آپ کو ہمارے اس دعوی کی تصدیق کرنی ہے تو آپ ہمارے کارخانہ کا کوئی سا چار روپیہ تولہ والا عطر لیکر کسی بڑے سے بڑے کارخانہ والے چھ روپے والے عطر سے مقابلہ کر لیجئے۔ اگر ہمارا عطر بہتر نہ نکلے تو علاوہ قیمت کے پچاس روپیہ ہم انعام دینگے۔ عطر گلاب و کیوڑہ و موتیا و حنا و شمامۃ العنبر و خس و بانڈی و چمپا و چنبیلی و بیلا وغیرہ وغیرہ ہر ایک عطر فی تولہ ایک روپیہ [illegible]

تنباکو خوردنی زردہ [illegible] فی سیر

گولی تنباکو مشکی نقرئی [illegible] و ۱۲ و ۸ و ۶ و ۴ فی تولہ

طلائی [illegible] قوام تنباکو مشکی [illegible] و ۱۲ و ۸ و ۴ فی تولہ

روغنیات ہر قسم [illegible] فی سیر

دوپلی ٹوپی [illegible] جو لکھنؤ سے بہتر کہیں نہیں بنتے فی عدد [illegible] و ۱۲ و ۸ و ۶ و ۴

چیزوں کی فہرست مفت منگائیے۔ محصول بذمہ خریدار

منگانیکا پتہ

منیجر کارخانہ روح شمیم لکھنؤ